TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ

اس امت کا امتیاز

امت محمدیہ علیہ الف الف تحیہ رنگ، نسل، وطن کے قیود سے آزاد ہے، عرب، عجم، ایران، توران، ایشیا، یورپ، امریکہ، دنیا کے ہر خطہ اور ہر ملک، ہر رنگ اور ہر نسل کا اس سے تعلق ہے، یہ اس امت کی ایسی خصوصیت خاصہ ہے جو اس سے پہلے کسی امت کو نصیب نہیں ہوئی، مختلف المزاج اقوام کے اس قافلہ نے کتاب وسنّت کو رہنما بنا کر اپنے ۱۴ سو برس کے سفر میں اس قدر صعوبتیں برداشت کی ہیں جن کی نظیر امم سابقہ میں بحیثیت مجموعی نہیں مل سکتی، سنگلاخ و پُرپیچ وادیوں کو طے کرنے کے علاوہ جیسے جیسے رہزنوں سے اسے واسطہ پڑا ہے اور جتنے ڈاکے اس پر ڈالے گئے ہیں اور باوجود اس کے جس طرح اس نے اپنے متاعِ عزیز کی حفاظت کی اور اپنے وجود کو باقی رکھا وہ اپنی جگہ پر نہ صرف یہ کہ دنیا کی تاریخ میں بے نظیر واقعہ ہے بلکہ ایک حیرت انگیز اور تحیر خیز معجزہ بھی ہے۔ ہلاکت خیز سیلابوں نے اس سے سر ٹکرایا اور اپنا سر پھوڑ کر پسپا ہو گئے، بلاخیز طوفانوں نے اسے آزمایا اور شرمندگی کے ساتھ اعترافِ شکست کیا، بجلیوں نے اسے تاکا مگر جز اضطراب کچھ ہاتھ نہ آیا کیا یہ قرآن وصاحب قرآن کا ایک معجزہ نہیں ہے۔؟

مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی

اس شمارے میں

۱۔ دوستی اور دشمنی خدا کے لئے ۲
۲۔ شام لیبیا اتحاد؟ ۳
۳۔ حج اور قربانی کی حقیقت ۴
۴۔ یاد رکھنے کی چند باتیں ۵
۵۔ مقامات حج ۶
۶۔ مسلمان اپنے ماضی وحال کے آئینہ میں ۱۱
۷۔ کتاب کی کہانی صاحب کتاب کی زبانی ۱۲
۸۔ حامل قرآن۔ قرآن میں ۱۵
۹۔ اقبال اور افغانستان ۱۶
۱۰۔ ذرائع ابلاغ کی جاکرتا کانفرنس ۱۷
۱۱۔ شام کا نصیری حکمران ۱۸
۱۲۔ افغان مجاہدین کو کچلنے کے لئے...... ۲۰
۱۳۔ مراد آباد کا المیہ اور اس کے بعد ۲۱
۱۴۔ المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی ۲۳
۱۵۔ کوائف دار العلوم ۳۰

اس شمارے کی قیمت ۱/۵۰

لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

زر تعاون	
اندرون ملک	۱۶ روپے
فی پرچہ	۸۰ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک جملہ ممالک	۴ پونڈ
ہوائی ڈاک	
ایشیائی ممالک	۶ پونڈ
افریقی ممالک	۷ پونڈ
یوروپ و امریکہ	۹ پونڈ

جلد نمبر (۱۷) — ۱۰ و ۲۵ ستمبر سنہ ۸۰ء – ۳۰ شوال و ۱۴ ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ — شمارہ نمبر ۲۱-۲۲

اداریہ

شام لیبیا انضمام ؟!

لیبیا کے سربراہ معمر القذافی کی تجویز انضمام پر شامی سربراہ اور بعث پارٹی کے ارکان نے توثیق کر دی ہے۔ اس انضمام کے مقاصد پر شام کے اخبار "تشرین" نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سامراجی اور صیہونی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے شام اور لیبیا دونوں عرب قوم کے مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ انضمام کی تائید کرتے ہیں۔ اخبار مزید لکھتا ہے کہ:

دونوں ملکوں کی مشترکہ تحریک جغرافیائی اعتبار سے دوری کے باوجود مجموعی قوت کا بڑا جز ہے۔ اس انضمام کی پیشکش لیبیا کے صدر معمر القذافی نے انقلاب کی سالگرہ کے موقع پر پچاس ہزار افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کی تھی، انھوں نے کہا کہ وہ اسرائیل کے خلاف لڑنے کے لئے فلسطینی مجاہدین میں شامل ہو جائیں گے اور دھمکی دی کہ اگر لیبیا کے عوام نے انضمام کی تجویز کو قبول نہ کیا تو وہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اسرائیل کے خلاف چھاپہ مار کی حیثیت سے جنگ کریں گے!

یہ ہیں وہ مقاصد جس پر دونوں ملکوں نے اتفاق کیا ہے اور بہت جلد اس کو عملی شکل دینے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ دو عرب ملکوں کے مابین اتحاد یا انضمام کی یہ کوئی نئی کوشش نہیں ہے اس سے قبل مصر اور شام کا اتحاد ہوا مگر وہ دیرپا ثابت نہ ہو سکا خود لیبیا کے سربراہ نے اس سے قبل مصر کو اتحاد کی پیش کش کی تھی مگر ان کو اس میں کامیابی نہ ہو سکی سوڈان کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر ناکام رہے تونس سے دوستی کرنی چاہی مگر ہاتھ نہ ملا سکے۔ آخر کیوں وہ ان ملکوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں اور ناکام ہو جاتے ہیں۔ یہ ممالک ان کی پیش کش کو کیوں ٹھکرا دیتے ہیں کیا یہ ممالک مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ ممالک عرب نہیں ہے؟ کیا یہ ممالک فلسطین کی آزادی نہیں چاہتے ہیں؟ کیا یہ ممالک مسجد اقصیٰ کی واگذاری کے لئے دل و جان سے نثار نہیں ہیں؟ کیا ان ممالک کے جگر مسجد خلیل کی بے حرمتی پر پاش پاش نہیں ہو گئے ہیں؟ کیا ان کو اسرائیل سے نقصان نہیں پہونچا ہے کیا ان کو اسرائیلی جارحیت کا تجربہ نہیں ہے؟ کیا یہ اسرائیل کی ہٹ دھرمی اور دست درازیوں کا شکار نہیں ہوئے ہیں؟ کیا ان کی شہری آبادی کو اسرائیل سے خطرہ نہیں ہے؟ قذافی کی یہ کیسی آواز ہے جو صدا بصحرا ہوتی چلی آرہی ہے اور اس آواز پر لبیک کہنے والا مسلمانوں کا ایک قاتل ہے۔ جو معصوموں کے خون سے ہولی کھیل رہا ہے، عورتوں کی عزت لوٹ رہا ہے، مردوں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کر رہا ہے، دیندار طبقہ کو ختم کرنے کے لئے پوری انتظامیہ لگا رکھی ہے اور ان پر نت نئی مظالم کے پہاڑ توڑ رہا ہے پر امن شہریوں کی زبانیں بند کر رکھی ہیں اور کفریہ کلمات کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے اس جابر اور ظالم کے بندوقچی مرجاتے ہیں تو وہ شہید انقلاب ہوتے ہیں، وہ اپنے کفریہ عقیدہ کا ہر شخص کو پابند بنانا چاہتا ہے وہ خدا کا سقوط ہو، اسد میرا رب ہے، وطن کے علاوہ کوئی خدا نہیں، بعث پارٹی کے علاوہ کوئی رسول، خائن اخوان المسلمون کی کوئی گنجائش نہیں جیسی صدائیں لگاتا ہے۔

لیبیا کے سربراہ معمر القذافی بھی اپنی قوم کا مذاق اڑانے میں کسی سے کم نہیں، ڈاکٹر مصطفیٰ رمضان کی لاش کو قبر سے کھدوا کر ملک بدر کر دیا، اپنے مخالفین کو کچلنے کے لئے بیرون ملک میں مسلح افراد متعین کر رکھے ہیں تاکہ وہ زبانوں پر تالا لگائیں اور فرشتہ موت بن کر ان اشخاص کا خاتمہ کریں، معمر القذافی کتاب و سنت کا مذاق اڑانے میں شامی سربراہ سے کم نہیں وہ سنت نبویؐ کا انکار کرتا ہے، نصوص قرانی کو مسخ کرتا ہے اور انا ربکم الاعلیٰ جیسے کفریہ کلمات کی صدائیں لگاتا ہے۔

دونوں کی منزل ایک ہے، دونوں کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور دونوں کو ایک مددگار چاہئے تھا، دونوں کو ایک ہم عقیدہ، ہم خیال، ہم مسلک چاہئے تھا جو ایک ہی آقا کا غلام ہو اس لئے دونوں فوراً گلے مل گئے، شامی حکمران جو ابتک تنظیم آزادی فلسطین سے سخت بغض و نفرت رکھتے تھے اب ایک ہو گئے ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ دونوں نے ایک معاہدہ کیا ہے جس کی رو سے الفتح کی حالیہ اندرونی کشمکش میں اسد حکومت یاسر عرفات سے تعاون کرے گی اسے اس کے عوض میں یاسر عرفات اردن میں اسد حکومت کے مخالفین کا صفایا کرنے میں شامی حکام کا ہاتھ بٹائیں گے۔

اس انضمام کے ذریعہ دونوں ممالک ایک دوسرے کا سہارا لے کر اپنے پڑوسی ملکوں میں مداخلت کا جواز فراہم کریں گے جس سے ان ممالک میں افغانستان میں روسی جارحیت کی وجہ سے جو نفرت کے جذبات دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں اس سے وہاں کے عوام اور حکمران کی نظریں ہٹائیں اور خود ان کے ملک میں مختلف اضطرابی و انتشاری چیزوں کی طرف توجہ مبذول کرائیں۔

صدر قذافی جب سے اقتدار پر قابض ہوئے اس وقت سے آج تک غیر متوازن باتیں کرتے رہے ہیں جن ملکوں میں بادشاہت تھی وہاں چھاپہ ماروں کی مدد اور ہمت افزائی کرتے رہے ہیں، مراکش کے شاہ حسن اور عمان کے سلطان قابوس کے خلاف چھاپہ ماروں کی امداد و معاونت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

ان دونوں ملکوں میں نہ کوئی صنعت ہے نہ کوئی کارخانہ ہے، یہاں ہر چھوٹے بڑے کام کے لئے دوسرے ممالک سے آدمی بلائے جاتے ہیں اور ان کی کمائی سے اسلحہ خرید کر معصوم نہتے عوام کا خون بہایا جاتا ہے اور ملک میں صرف ایک ہی صنعت کو عروج حاصل ہے وہ ہے خون خرابہ، قتل و غارت ———

جس قوم کا یہ حال ہو گا وہ کیسے اسرائیل کے ساتھ جہاد کرے گی، فلسطین کو کیسے آزاد کرا سکے گی، مسجد اقصیٰ کو کس طرح دشمنوں کے ناپاک وجود سے پاک کرے گی؟ ہرگز نہیں

(بقیہ صفحہ ۲ پر)

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ سولہ روپے ارسال فرمائیے، اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ ۲۵/۱۹ روپے کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہو گا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

دوستی یا دشمنی خدا کے لئے ہو

مولانا سید عبد الحی حسنیؒ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

(سورہ مجادلہ آیت ۲۲)

جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے وہ لوگ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر کی لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں، جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے، خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش۔

فرمایا:-

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ (سورہ مائدہ ۵۵)

تمہارے دوست تو خدا اور اس کے پیغمبرؐ اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور (خدا کے آگے) جھکتے ہیں۔

فرمایا:-

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً۔

(سورہ آل عمران - ۲۸)

مومنوں کو چاہئے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے خدا کا کچھ (عہد) نہیں ہاں اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ) نہیں اور خدا تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میری عظمت و بڑائی کے سبب باہم محبت کرنے والے لوگ کہاں ہیں۔ آج میں ان کو اپنے سایہ میں رکھوں گا جب کہ میرے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہے۔ (رواہ مسلم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے لئے باہم محبت کرنے والوں اور میری خاطر ایک جگہ بیٹھنے والوں اور میری خاطر ایک دوسرے سے ملنے جلنے والوں اور میری خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں کے لئے میری محبت لازم ہو گئی۔

(امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت فرمایا)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص اپنے بھائی سے ملنے کے لئے چلا جو دوسرے گاؤں میں رہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ مقرر کر دیا، جب یہ شخص فرشتہ کے پاس سے گذرا تو فرشتہ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا اس گاؤں میں اپنے بھائی سے ملنے جا رہا ہوں، فرشتہ نے پوچھا کیا تم کو اس سے کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے جس کے سبب تم جا رہے ہو کہ وہ فائدہ تم کو حاصل ہوتا رہے، اس شخص نے فرشتہ کو جواب دیا نہیں مجھے اس سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا، میں اللہ واسطے اس سے محبت کرتا ہوں اس لئے ملنے جا رہا ہوں، اس کا جواب سن کر فرشتہ نے کہا میں اللہ کا قاصد ہوں، مجھے تمہارے پاس اللہ نے بھیجا ہے کہ تم کو یہ بتا دوں کہ جس طرح تم اپنے بھائی سے خدا کے لئے محبت کرتے ہو اللہ تعالیٰ تم سے ویسے ہی محبت کرتا ہے۔ (رواہ مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے اندر تین چیزیں پائی جائیں وہ ایمان کی لذت پائے گا۔ ایک تو یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ہر چیز سے زیادہ اس کو محبوب ہوں، دوسری بات یہ کہ وہ کسی شخص سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے، تیسری بات یہ کہ کفر کی ظلمت سے نکلنے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹنا اس کو اتنا ہی ناپسند ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اپنے سائے میں جگہ دیں گے جب اللہ کے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہو گا۔ منصف حاکم۔ ایسا نوجوان جس نے اپنی جوانی میں خدا کی عبادت کی ہو، نماز کا ایسا پابند شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہو، اللہ کے لئے باہم محبت کرنے والے دو شخص جو اللہ ہی کے نام پر جمع ہوتے ہوں اور اللہ ہی کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہوں، ایسا شخص جس کو ذی حیثیت اور حسین و جمیل عورت معصیت کی دعوت دے اور وہ یہ کہتا ہوا انکار کر دے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں، ایسا شخص جو بہت چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا (قریب ترین شخص کو بھی صدقہ کرنے کا علم نہ ہو) ایسا شخص جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا ہو اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئی ہوں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے خدا کے لئے محبت کی اور خدا کے لئے غصہ کیا، خدا کے لئے دیا اور خدا کے لئے روکا، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ مسلمان کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے اور کسی سے ناراض ہو تو خدا کے واسطے ناراض ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے یا اپنے دینی بھائی سے ملاقات کرتا ہے اس کو ایک شخص پکار کر کہتا ہے، تم مبارک، تمہارا چلنا مبارک، تم نے جنت میں اپنا گھر بنا لیا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے فرمایا، اگر کوئی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اس کو اطلاع کر دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

بقیہ صفحہ ۱، اداریہ

ان کا مقصد صرف ایک ہے کہ نہتے شہریوں کی جان و مال سے کھیلا جائے، ملک میں خوف و ہراس پھیلایا جائے، دہشت اور دہریت کا بازار گرم کیا جائے اور شطرنج کے مہروں کی طرح بساط سیاست میں دوسرے کے اشاروں پر ناچیں اور اپنے بھائیوں کا گلا کاٹیں۔

تجربات بتاتے ہیں کہ صرف انضمام کے اعلان سے مقاصد حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے دل سوزی اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ مقاصد کے حصول کے لئے تعاون و اشتراک ناگزیر شئی ہے اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے اتحاد اور افکار و خیالات میں ہم آہنگی و یگانگت ایک لازمی عنصر ہے مگر اب تک قذافی نے تعمیر کے بجائے تخریب ہی کا راستہ اپنایا ہے، دنیائے اسلام ان کو غیر متوازن ہونے کے ساتھ ایک ملحدانہ ذہنیت رکھنے والے کی حیثیت سے جانتی ہے اور ان کے خیال اس قسم کے ہیں! —— ان کا یہ انضمام حب فلسطین میں نہیں ہے بلکہ بغض ملک و ملت میں ہے۔

(م۔ ح)

حج اور قربانی کی حقیقت

علامہ سید سلیمان ندویؒ

حج درحقیقت خدا کے سامنے اس سرزمین میں حاضر ہوکر جہاں اکثر نبیوں، رسولوں اور برگزیدہ بندوں نے حاضر ہوکر اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا اعتراف کیا اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد و اقرار ہے اور ان مقامات میں کھڑے ہوکر اور چل کر خدا کی بارگاہ میں اپنی سیہ کاریوں سے توبہ کرنا اور اپنے روٹھے ہوئے مولیٰ کو منانا ہے تاکہ وہ ہماری طرف پھر رجوع ہو کہ وہ تائب گنہگاروں کی طرف رجوع ہونے کے لئے ہر وقت تیار ہے، وہ رحم و کرم، لطف و عنایت کا بحر بیکراں ہے۔

یہی سبب ہے کہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل اور کھوٹ کو صاف کر دیتی ہے اور جو مومن اس دن (یعنی عرفہ کے دن) احرام کی حالت میں گزارتا ہے اس کا سورج جب ڈوبتا ہے تو اس کے گناہوں کو لے کر ڈوبتا ہے۔

صحیح مسلم اور نسائی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے یہ بشارت دی کہ عرفہ کے دن سے بڑھ کر کوئی دن نہیں جس میں خدا اپنے بندوں کو دوزخ کے عذاب سے آزاد کرتا ہو، وہ اس دن اپنے بندوں سے قریب ہوکر جلوہ گر ہوتا ہے اور اپنے ان بندوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا اور کہتا ہے کہ "جو انھوں نے مانگا (وہ ہم نے قبول کیا)"۔ موطا امام مالک میں ہے کہ آپ نے یہ خوشخبری سنائی کہ "بدر کے دن کے سوا عرفہ کے دن سے زیادہ شیطان کسی دن ذلیل، رسوا اور غضبناک نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اس دن دیکھتا ہے کہ خدا کی رحمت برس رہی ہے اور گناہ معاف ہو رہے ہیں"۔ اسی طرح اور بہت سی حدیثیں ہیں، جن میں مخلصانہ حج ادا کرنے والوں کو رحمت اور مغفرت کی نوید سنائی گئی ہے۔ یہ تمام حدیثیں درحقیقت اسی دعائے ابراہیمی "وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا" (اور ہمارے حج کے دستور ہم کو سوجھا اور ہماری توبہ قبول فرما) کی تفسیریں ہیں۔

ان تمام بشارتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حج درحقیقت توبہ اور انابت ہے، اسی لئے احرام باندھنے کے ساتھ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ (خداوندا میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں) کا ترانہ دم بدم اس کی زبان سے بلند ہونے لگتا ہے، طواف میں، سعی میں، کوہ صفا پر، کوہ مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں، منیٰ میں ہر جگہ جو دعائیں مانگی جاتی ہیں ان کا بڑا حصہ توبہ اور استغفار کا ہوتا ہے اور اسی بنا پر کہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ (گناہ سے بصدق توبہ کرنے والا ایسا ہے، جیسا وہ جس کا گناہ نہیں ہے) اس لئے حج مبرور کرنے والوں کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

گو کہ توبہ سے ہر جگہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس لئے کعبہ اور عرفات کی کچھ تخصیص نہیں لیکن حج کے مشاعر، مقامات اور ارکان اپنے گوناگوں تاثرات کی بنا پر دوسرے فوائد و برکات کے علاوہ جو یہاں کے سوا اور کہیں نہیں، صدق توبہ کے لئے بہتر سے بہتر موقع پیدا کرتے ہیں، ان مقامات کا جو تقدس اور عظمت ایک مسلمان کے دل میں ہے اس کا نفسیاتی اثر دل پر بڑا گہرا پڑتا ہے، وہ مقامات جہاں انبیاء علیہم السلام پر برکتوں اور رحمتوں کا نزول اور انوار الٰہی کی بارش ہوئی، وہ ماحول، وہ فضا، وہ تمام گنہگاروں کا ایک جگہ اکٹھا ہوکر دعا و زاری، فریاد و بکا اور آہ و نالہ، وہ قدم قدم پر نبوی مناظر اور ربانی شاہد، جہاں خدا اور اس کے برگزیدہ بندوں کے بیسیوں ناز و نیاز کے معاملات گذر چکے ہیں، دعا اور اس کے تاثر اور اس کے قبول سے بہترین مواقع ہیں، جہاں حضرت آدمؑ و حوا نے اپنے گناہوں کی معافی کی دعا کی، جہاں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اور اپنی اولاد کے لئے دعا مانگی، جہاں حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد اپنی پناہ ڈھونڈھی، جہاں دوسرے پیغمبروں نے دعائیں کیں، جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر اپنی اور اپنی امت کے لئے دعائیں مانگیں، وہی مقامات، وہی مشاہد اور دعاؤں کے وہی ارکان، ہم گنہگاروں کی دعاء و مغفرت کے لئے کس قدر موزوں ہیں کہ پتھر سے پتھر دل بھی، ان حالات اور ان مشاہد کے درمیان موم بننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور انسان اس ابر کرم کے چھینٹوں سے سیراب ہو جاتا ہے، جو وقتاً فوقتاً یہاں برگزیدگان الٰہی پر عرش الٰہی سے برستا رہا ہے اور ع

"ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است"

انسان کی نفسیت (سائیکالوجی)، یہ ہے اور روزمرہ کا تجربہ اس کا شاہد ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی بڑے اور اہم تغیر کے لئے ہمیشہ زندگی کے کسی موڑ اور حد فاصل کی تلاش کرتا ہے، جہاں پہونچ کر اس کی گذشتہ اور زندگی کے دو ممتاز حصے پیدا ہو جائیں، اسی لئے لوگ اپنے تغیر کے لئے جاڑا، گرمی یا برسات کا انتظار کرتے ہیں، بہت سے لوگ شادی کے بعد یا صاحب اولاد ہونے کے بعد یا تعلیم سے فراغت کے بعد یا کسی نوکری کے بعد یا کسی بڑی کامیابی یا کسی خاص مہم اور سفر کے بعد یا کسی سے مرید ہو جانے کے بعد بدل جاتے ہیں یا اپنے کو بدل لینے پر قادر ہو جاتے ہیں، کیونکہ یہ ان کی زندگی کے اہم واقعات اور سوانح ان کی اگلی اور پچھلی زندگی میں فصل اور امتیاز کا خط ڈال دیتے ہیں جہاں سے ادھر یا اُدھر مڑ جانا ممکن ہو جاتا ہے، حج درحقیقت اسی طرح انسان کی گذشتہ اور آئندہ زندگی کے درمیان ایک حد فاصل کا کام دیتا ہے اور اصلاح اور تغیر کی جانب اپنی زندگی کو پھیر دینے کا موقع ہم پہونچاتا ہے، جہاں سے انسان اپنی پچھلی زندگی جیسی بھی ہو اس کو ختم کرکے نئی زندگی شروع کرتا ہے، ان بابرکت مقاموں پر حاضر اور وہاں کھڑے ہوکر، جہاں جلیل القدر انبیائے کرام اور مخلصان الٰہی کھڑے ہوئے خدا کے گھر کے سامنے قبلے کے روبرو، جو اس کی نمازوں اور عقیدتوں اور مناجاتوں کی غائبانہ سمت ہے، اپنی پچھلی زندگی کی کوتاہیوں پر ندامت اور اپنے گناہوں کا اعتراف اور آئندہ اطاعت و فرمانبرداری کا وعدہ اور اقرار وہ اثر پیدا کرتا ہے کہ شر سے خیر کی طرف زندگی کا رُخ بدل جاتا ہے، اور زندگی کا گزشتہ باب بند ہوکر اس کا دوسرا باب کھل جاتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ اس کے بعد اپنے نئے اعمال کے لئے نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے، اسی لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:-

من حج للّٰہ فلم یرفث و لم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ۔

(جس نے خدا کے لئے حج کیا اور اس میں ہوس رانی نہ کی اور نہ گناہ کیا تو وہ ایسا ہوکر لوٹتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اُس کو جنا)۔

یعنی ایک نئی زندگی ایک نئی حیات اور نیا دور شروع کرتا ہے، جس میں دین اور دنیا دونوں کی بھلائیاں جمع اور دونوں کی کامیابیاں شامل ہوں گی۔

ملت ابراہیمی کی اصل بنیاد قربانی تھی اور یہی قربانی حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ اور روحانی زندگی کی اصلی خصوصیت تھی اور اسی امتحان اور آزمائش میں پورے اترنے کے سبب سے وہ اور ان کی اولاد ہر قسم کی نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال کی گئی۔

لیکن یہ قربانی کیا تھی؟ یہ محض خون اور گوشت کی قربانی نہ تھی بلکہ روح اور دل کی قربانی تھی، یہ ماسوی اللہ اور غیر کی محبت کی قربانی خدا کی راہ میں تھی، یہ اپنے عزیز ترین متاع کو خدا کے سامنے پیش کر دینے کی نذر تھی، یہ خدا کی اطاعت، عبودیت اور کامل بندگی کا بے مثال منظر تھا، یہ تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا وہ امتحان تھا جس کو پورا کئے بغیر دنیا کی "پیشوائی" اور آخرت کی "نیکی" نہیں مل سکتی، یہ باپ کا اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے زمین کو رنگین کر دینا نہ تھا، بلکہ خدا کے سامنے اپنے تمام جذبات اور خواہشوں، تمناؤں اور آرزوؤں کی قربانی تھی اور خدا کے حکم کے سامنے اپنے ہر قسم کے ارادے اور مرضی کو معدوم (۲۴)

(۲۴) کر دینا تھا۔ اور جانور کی ظاہری قربانی اس اندرونی نقش کا ظاہری عکس اور اس خورشید حقیقت کا ظلّ مجاز تھا۔

یاد رکھنے کی چند باتیں

جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی (م)

حج کے سلسلہ کے بعض امور کا استحضار راقم سطور کے تجربہ میں بہت مفید ثابت ہوا ہے سطور ذیل میں ان امور کو درج کیا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ خدا کے کسی دوسرے بندے کو بھی اس سے فائدہ پہونچے اور اس کی زبان سے کسی وقت دعائے خیر نکل جائے۔

(۱) مسافران حرم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا مہمان قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ میں ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ:-

"حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر وہ دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، وہ بخشش چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بخشتے ہیں"۔

(مشکوٰۃ شریف کتاب المناسک)

جس طرح میزبان کے ذمہ مہمان کے حقوق ہیں اسی طرح مہمان کے ذمہ میزبان کے بھی حقوق ہیں اور ان کی رعایت کرنا ضروری ہے اگر حجاج اس نکتہ کو یاد رکھیں اور مہمانی کے اس عظیم شرف کا خیال رکھیں تو انشاء اللہ حج کے پورے زمانے میں عجیب لذت پائیں گے۔ حج کے مسائل، اس کے شرائط، ارکان و آداب درحقیقت یہی وہ حقوق ہیں جو حق تعالیٰ کے مہمان ہونے کی حیثیت سے حجاج کے ذمہ عائد ہوتے ہیں محض خشک مسئلوں کی حیثیت سے نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے مہمان ہونے کے خیال سے ان پر عمل کرنا اور ان کا لحاظ رکھنا بے حد نفع بخش ہوتا ہے۔

(۲) حج کے تمام اعمال کا مقصود و حاصل خدا کی یاد ہے، حج کے اعمال بجالانے کے وقت اگر اس اصولی بات کو یاد رکھا جائے تو انشاء اللہ یہ ظاہری اعمال باطن میں بھی کچھ ذوق پیدا کریں گے۔ حضرت نبی کریم کا ارشاد ہے:-

"کعبہ کا طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمار (کنکریوں کا پھینکنا) صرف اللہ کی یاد کے لئے ہے"۔

(ابوداؤد، ترمذی)

فرض کریجئے کہ ایک شخص ایسا ہے جو حج کے ان اعمال کو پورا کرتا ہے مگر اس کا دل خدا کی یاد سے خالی ہے تو وہ اس شخص کا مقابلہ برکات و ثمرات کے اعتبار سے کیسے کر سکتا ہے، جس کی ہر حرکت یاد الٰہی کی برکت اپنے اندر رکھتی ہے۔

(۳) اس سے ملتی جلتی ہوئی یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اعمال حج میں قدم قدم پر توحید کا اعلان ہے، جب حاجی احرام باندھتا ہے تو تلبیہ پڑھتا ہے، تلبیہ میں کھلا ہوا اعلان حق تعالیٰ کی توحید اور رد شرک کا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ (میں حاضر ہوا ہوں، خداوندا تیرے حضور میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور سب نعمتیں تیری ہی ہیں اور ملک و بادشاہت تیری ہی ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں)۔

جب خانۂ کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو حاجی کہتا ہے کہ "اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" (خدا سب سے بڑا ہے، خدا کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، خدا سب سے بڑا ہے)

طواف شروع کیجئے تو نیت کے وقت پڑھئے بسم اللہ اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وللہ الحمد (خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں، خدا سب سے بڑا ہے، خدا کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، تمام تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں)۔

مقام ابراہیم میں نماز پڑھئے تو بہتر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے ساتھ پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھئے، یہ دونوں سورتیں اصولی طور پر توحید کا اعلان اور شرک کا تردید کرتی ہیں۔ صفا اور مروہ کی سعی کے لئے جائیے تو دونوں پہاڑیوں پر جاکر سب سے پہلے پڑھئے۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر۔

منیٰ جائیے یا عرفات کثرت سے تلبیہ پڑھتے رہئے، عرفات جائیے تو یہاں کے لئے بھی بہترین دعا یہ بتلائی گئی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ یہ دعا میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی ہے عرفات میں! بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت عرفات میں تلاوت فرمائی۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں اور (گواہی دی) فرشتوں نے اور اہل علم نے جو انصاف والے ہیں (کہ) کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ مگر وہی اللہ جو عزت والا اور حکمت والا ہے)

رمی جمرات کے وقت بھی کہئے کہ:-

بسم اللہ اللہ اکبر رغماً للشیطان ورضاً للرحمٰن (میں اللہ کا نام لے کر کنکری مارتا ہوں، اللہ سب سے بڑا ہے، میں کنکری مارتا ہوں) شیطان کو رسوا کرنے کے لئے اور رحمٰن کو خوش کرنے کے لئے)۔

ان سب باتوں پر غور کیجئے اور یہ سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ ہر موقع پر کس طرح توحید کا اقرار اور اعلان ہے، ضرورت ہے کہ ہر حاجی اس توحید میں اپنے کو غرق کر دے، توحید محض قال نہیں بلکہ حال بن جائے، توحید کا مطلب محض خدا کو ایک کہنا نہیں بلکہ "ایک جاننا" ہو جائے، معبودیت، محبوبیت، اور مطلوبیت صرف حق تعالیٰ کے لئے ہو، اور اُن کی اور صرف انہی کی اوّلیت و آخریت، ظاہریت و باطنیت محسوس و منکشف ہو جائے۔

(۴) خوش نصیب حاجی جب بھی تلبیہ کہے وہ اس بات کو یاد کرے کہ اس تلبیہ میں اس کی موافقت زمین کی ہر چیز کر رہی ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:-

"جب مسلمان لبیک کہتا ہے تو اس کے داہنے اور بائیں ختم زمین تک جتنی چیزیں ہیں (مثلاً پتھر، درخت، ڈھیلے) سب لبیک کہتی ہیں"۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

ارشاد نبوی کا استحضار تلبیہ کہنے والے کو عجب روحانی لذت بخشتا ہے۔

(۵) جس طواف کے بعد سعی کی جاتی ہے اس میں رمل کیا جاتا ہے، یعنی پہلے تین چکروں میں مونڈھے ہلا کر ذرا اکڑ کے تیز قدم چلتے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار نے مسلمانوں پر طعن کیا تھا کہ مدینہ کے بخار نے ان کو کمزور کر دیا ہے اس لئے حکم ہوا کہ اس طرح اکڑ کے چلو تاکہ کفار کے مقابلہ میں اظہار قوت و عظمت ہو، ظاہر ہے کہ اب وہاں اعدائے دین تو ہیں نہیں تاہم رمل کا یہ طریقہ باقی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا شعر ہے۔

"دگر ایں اظہار جلادت و غلبہ نسبت بہ اعدائے باطن کہ شیطان و جنود او ست ملاحظہ و اعتبار نمائند در ذوق و حضور اقرب و ادخل بود" (اگر یہ اظہار قوت اعدائے باطن یعنی شیطان اور اس کے کارندوں کے مقابلہ میں تصور کی جائے تو ذوق و حضور کا باعث ہوگا)

خوش نصیب زائر حرم جب مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضری کی سعادت پائے اور بارگاہ نبوی سے قریب ہونے کی عزت حاصل کرے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام حقوق کو یاد کرے جو امت کے ذمہ واجب ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ کے ایک گرامی نامہ کی چند سطریں نقل کرنا مناسب ہے۔

"حاضری روضہ مبارکہ کے وقت آنحضرت علیہ السلام کی روح پرفتوح کو وہاں جلوہ افروز، سننے والی، جاننے والی، غایت جمال و جلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار میں حاضری خیال کی جائے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے..... فضول باتوں اور لوگوں کی مجالس میں بلا ضرورت حاضری سے گریز کیا جائے اوقات کو درود شریف، ذکر، مراقبہ، قراءۃ قرآن، نوافل میں معمور کیا جائے"۔

(۷) اسی سلسلہ میں یہ بات بھی عرض کرنا مناسب ہے کہ بعض حجاج کو دیکھا گیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کا تقابل شروع کر دیتے ہیں، اور مکہ معظمہ کے متعلق ایسے کلمات زبان سے نکال ڈالتے ہیں جن کو سن کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ راقم سطور کو مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام میں بعض اوقات اس معاملے میں بڑے جبر سے کام لینا پڑا، خوب یاد رکھئے کہ مدینہ منورہ کی تمام عظمتیں اور محبوبیتیں مسلّم ہیں مگر اس کے یہ معنی کب ہیں کہ مکہ معظمہ کو کہا جائے کہ اس کا کیا خیال ہے (استغفر اللہ استغفر اللہ اعوذ باللہ من شر الشیطان و شرکہ)

مدینہ طیبہ کی عظمت و محبت کو دل میں کی وجہ سے ہے کہ مکہ معظمہ کو قرآن مجید نے بلد امین کہا ہے۔ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے محبت کا اظہار فرمایا ہے، کعبہ یہیں ہے جس کا خود حضور اقدس بھی طواف کرتے تھے، خدا کے شعائر صفا، مروہ یہیں ہیں، زمزم یہیں ہے، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ یہیں سے قریب تر ہیں۔ جگہ یہیں کیا ہیں پھر کہ کو خالی کیسے کہا جا سکتا ہے۔

مقاماتِ حج

از مولانا محمد رابع حسنی ندوی صدر شعبۂ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مسجد حرام: یہ نہایت عالی شان کئی گوشہ مستطیل عمارت ہے، جس کے وسط میں خانۂ کعبہ واقع ہے، خانۂ کعبہ کی شمالی دیوار سے ڈیڑھ گز کے فاصلہ پر ایک نصف دائرہ کی ہلالی شکل کی دیوار ہے، اس کے اندر کا حصہ حطیم کہلاتا ہے اسی کے اندر خانۂ کعبہ کی چھت کی نالی کھلتی ہے جو میزاب کہلاتی ہے، حطیم اور خانۂ کعبہ کے ارد گرد پختہ فرش کا ایک وسیع اور گول صحن ہے، اس کو مطاف کہتے ہیں، اسی میں طواف کیا جاتا ہے، مطاف کے باہر باب کعبہ کے سامنے ایک طرف زمزم شریف کا کنواں ہے جو اب کچھ برسوں سے زمین دوز کر دیا گیا ہے تاکہ طواف کے لئے مزید جگہ مل جائے اسی کے قریب مقام ابراہیم ہے، باب کعبہ کے قریب کے مشرقی کونے پر حجر اسود لگا ہوا ہے، حجر اسود سے باب کعبہ تک کی دیوار کو ملتزم کہتے ہیں۔

مطاف کے بعد چاروں طرف ایک وسیع صحن ہے اس کے بعد ہر جانب آگے پیچھے کئی کئی بڑے دالان ہیں، ہر دو دالان کے درمیان ستونوں کی صف ہے، اور ہر چہار جانب ستونوں پر مضبوط ڈاٹ لگائی گئی ہے دالان دو تعمیروں کے ہیں، ایک ترکی تعمیر جو کہ ایک منزلہ ہے اور اس کے اوپر چھوٹے چھوٹے بے شمار قبے ہیں، دوسری نئی تعمیر جو اس کے بعد ہے اور دو منزلہ اور نہایت شاندار ہے یہ تعمیر سعودی حکومت کی ہے، یہ سب دالان حرم کعبہ کے لئے گویا فصیل کا بھی کام دیتے ہیں، ان کے درمیان کھلا وسیع صحن ہے اور اس کے بالکل وسط میں کعبہ اور اس کا مطاف ہے، دالانوں سے مطاف تک جانے کے لئے پتھر کی آٹھ سڑکیں قائم کی گئی ہیں، اور سڑکوں کے درمیان بقیہ زمین میں پتھر کی باریک بجری بچھی ہوئی ہے، جو آفتاب کے غروب ہوتے ہی ٹھنڈی ہو جاتی ہے، پختہ سڑکوں میں یہ خوبی رکھی گئی ہے کہ کسی طرف سے واپس ہو مگر خانۂ کعبہ کی طرف پشت نہ ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کی حد صرف اتنی تھی جو اس وقت صحن مطاف کی ہے اور حرم کے احاطہ کی دیوار بھی نہ تھی، بلکہ چاروں طرف مکانات تھے، اور مکانات میں آنے کے لئے ہر طرف کوچے چھوٹے ہوئے تھے، سیدنا عمرؓ خلیفہ ہوئے اور آپ نے دیکھا کہ طواف کرنے والوں کو بڑی تنگی ہوتی ہے، تو آپ نے آس پاس کے مکانات خرید کر منہدم کرا دئے اور ان کی زمین کو مسجد میں شامل فرما دیا، یہ پہلا اضافہ ہے جو ۱۷ھ میں بغرض توسیع مسجد حرام کیا گیا، نیز آپ نے حدنبوی کے لئے قدآدم سے نیچی ایک چہار دیواری بنوا دی، جس پر چراغ روشن کر کے رکھ دئے جاتے تھے تاکہ شب کو طواف کرنے والے آرام پائیں، آپ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے پھر اضافہ کی صورت دیکھی اس لئے آپ نے اطراف کے مزید مکانات کو خریدا اور ان کی زمین کو داخل مسجد فرما کر چاروں طرف دالان بنوا دیا کہ دھوپ اور بارش میں سایہ نصیب ہو۔ ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر نے نواح کے چار طرف کے مکانات خرید کر مشرقی و جنوبی دونوں سمت مسجد حرام کو بہت وسیع کر دیا، ۷۵ھ میں جب عبدالملک بن مروان حج کے لئے آئے تو دیواروں کو بلند کر دیا، مہدی عباسی کے زمانہ میں مسجد الحرام کی توسیع دو بار ہوئی۔

۹۷۹ھ میں مسجد حرام کا مشرقی دالان اتنا جھک گیا کہ گرنے کے قریب ہو گیا، اس وقت خلافت ترکیہ کا مشہور بادشاہ سلطان سلیم متوجہ ہوا، اور اطراف ملک سے مشاہیر کاریگروں کو حکم دیا کہ از سر نو تعمیر کی جائے اور لکڑی کی جگہ پتھر کام میں لایا جائے کہ چھت بھی قبہ نما ڈاٹوں کی سنگ مرمر و سنگ سرخ پر قائم ہو تاکہ ٹپکنے اور دیمک وغیرہ لگنے سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔

۹۸۴ھ میں یہ تعمیر مکمل ہوئی، ۷۱-۱۳۷۰ھ تک صرف یہی تعمیر قائم تھی، اس تعمیر میں مسجد حرام ایک قدرے مستطیل وسیع عمارت تھی جس کا طول شرق سے مغرب تک ۲۱۰ گز، و عرض ۲۰۰ گز تھا لیکن ادھر چند سال سے سعود اور ان کے بعد فیصل بادشاہ حجاز و نجد کے حکم پر مسجد حرام کی مزید توسیع کی گئی ہے، اور اس کے نتیجہ میں مسعیٰ اور صفا و مروہ دونوں حرم کے اندر آ گئے ہیں، ورنہ پہلے حرم کی دیوار سے باہر تھے، اس توسیع سے حرم شریف کی گنجائش پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو گئی، پہلے اس میں بیک وقت ۷۵ ہزار

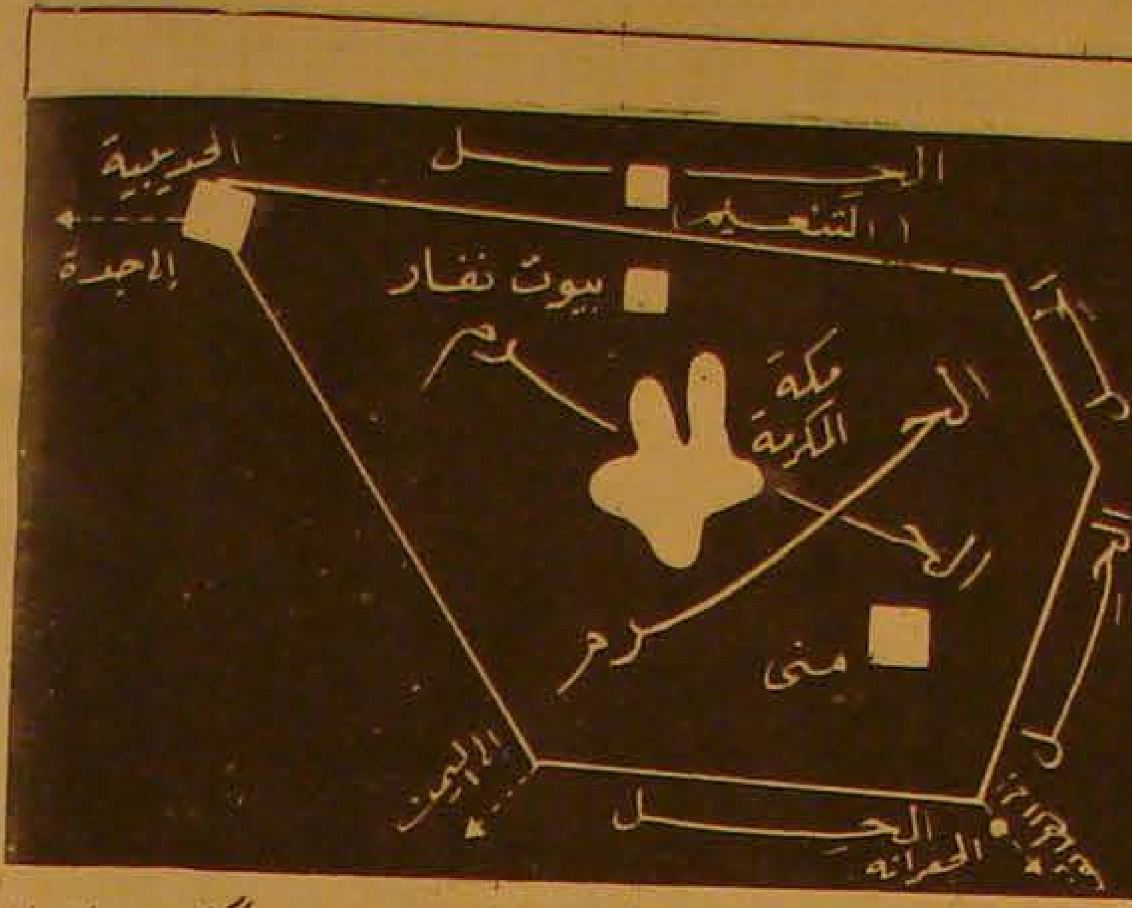

آدمی نماز پڑھ سکتے تھے اب تین لاکھ پڑھ سکتے ہیں، اس کے علاوہ عمارت نہایت پرشکوہ اور دو منزلہ ہو گئی ہے۔

کعبۂ معظمہ: اللہ تعالیٰ کی عبادت کی غرض سے بنائے جانے والے عبادت خانوں میں سب سے پہلے تعمیر کیا گیا۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعلمین۔

(بیشک سب سے پہلا گھر جو اللہ کی عبادت کی غرض سے انسانوں کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو کہ مکہ میں ہے اور برکت والا اور سارے جہانوں کے لئے باعث ہدایت ہے۔

کعبۂ معظمہ مسجد حرام کے تقریباً درمیان میں واقع ہے، اس کی شکل ایک بڑے کمرہ کی سی ہے، عمارت اونچی اور مربع ہے، اس کی بلندی ۱۵ میٹر ہے، اس کے مشرقی جانب جنوب مشرقی رکن کے قریب اس کا خوبصورت دروازہ ہے جو زمین سے سوا دو میٹر بلند ہے کعبہ کے چار رکن ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ رکن عراقی۔ شمالی جانب
۲۔ رکن شامی۔ شمال مغربی جانب
۳۔ رکن یمانی۔ جنوب مشرقی جانب
۴۔ رکن حجر اسود۔ مشرقی جانب

رکن حجر اسود وہ گوشہ ہے، جس میں حجر اسود نام کا پتھر لگا ہوا ہے، اسی گوشے کے سامنے زمزم شریف کا کنواں اور اس کے قریب مقام ابراہیم ہے، اور اسی رُخ پر حجر اسود کے قریب باب کعبہ اور دونوں کے درمیان ملتزم شریف ہے، بیت اللہ کا یہ رُخ ایسا ہے کہ اس پر حرم بیت اللہ کی متعدد اہم چیزیں جمع ہو گئی ہیں، اور ہندوستان، پاکستان اور مشرقی ایشیا کے ممالک کے لئے یہ بڑی سعادت ہے کہ رُخ ان کی طرف پڑتا ہے۔

حجر اسود ایک باعظمت اور متبرک پتھر ہے، اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ سے قبل بے شمار انبیاء علیہم السلام اور صالح لوگوں نے اپنے ہاتھوں اور ہونٹوں سے مس کیا ہے اس کو استلام کرنا اللہ تعالیٰ سے قربت کی ایک نشانی ہے، اس کو اسی تصور کے ساتھ بوسہ دینا چاہئے، اس کو نافع یا ضار نہ سمجھنا چاہئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نفع پہونچا سکتا ہے اور نہ نقصان، لیکن میں تجھ کو بوسہ دیتا ہوں، کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوتے دیکھا ہے، حجر اسود بیضوی شکل کا ایک چکنا پتھر ہے، رنگ سیاہ لیکن سرخی لئے ہوئے ہے، یہ اب چند ٹکڑوں پر مشتمل ہے، جو ایک ۱۰ انچ کے بیضوی پیالے پر جس میں چاندی کا حلقہ فریم کیا ہوا ہے جڑے ہوئے ہیں اس کی بلندی ایک قد آدم ہے کہ آدمی اس کو کھڑے کھڑے بہ آسانی بوسہ دے سکتا ہے، ہر طواف کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہر "شوط" پر اس پتھر کا بوسہ لے یا اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر کے ہاتھوں کو بوسہ دے لے، رکن یمانی کو بھی اپنے ہاتھ سے چھونے کا حکم ہے، بوسہ کا نہیں، رکن عراقی اور رکن شامی کے کونے نہ چھوئے جاتے ہیں اور نہ ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:۔

ان الحجر الاسود نزل من الجنۃ

اشد بیاضا من اللبن فسودتہ خطایا بنی آدم۔

(حجر اسود جنت سے دودھ سے زیادہ سفید اترا تھا، بنی آدم کی خطاؤں نے اسے سیاہ بنا دیا)۔

کعبہ بڑے مضبوط پتھروں سے بنا ہوا ہے، اس کی چھت سنگ مرمر کی سلوں سے بنائی گئی ہے، اور شمالی دیوار کے اوپر چھت کی نالی "المیزاب" کہلاتی ہے، جو خالص سونے کی بنی ہوئی اور حجر اسماعیل کی طرف جھکی ہوئی ہے۔

اس کو سب سے پہلے فرشتوں نے بحکم الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل بیت المعمور میں جو ساتویں آسمان پر فرشتوں کی عبادت و طواف کے لئے ایک مسجد ہے تعمیر کیا، اس کے بعد آدم علیہ السلام نے اور ان کے بعد شیث علیہ السلام نے پھر پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باقاعدہ تعمیر کیا، یہ تعمیر انہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھروں کو جماتے جاتے تھے، "واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم"۔ انہوں نے کعبہ شریف کا دروازہ جانب مشرق اور دوسرا جانب مغرب رکھا، ان دروازوں کی دہلیزیں اس وقت زمین کی سطح کے مطابق تھیں، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حکم ہوا "واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق۔

اس وقت سے بیت اللہ میں حج و عبادت کے لئے لوگوں کی حاضری شروع ہو گئی اور یہ حاضری ہر سال تسلسل کیساتھ آج تک جاری ہے، اسلام کے آنے سے قبل بھی حج ہوتا تھا، اسلام کے اصولوں اور باقاعدہ رہنمائی و نگرانی میں حج ۹ھ میں شروع ہوا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا امیر الحج بنا کر بھیجا اور ان کے بعد ہی متصلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۂ براۃ کے اعلان کے ساتھ بھیجا کہ اب آئندہ سے کفار یہاں نہ آسکیں گے اور نہ رہ سکیں گے اور پھر ۱۰ھ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لاکھوں مجمع کے ساتھ حج ادا فرمایا، یہ آپ کا آخری حج تھا جو حجۃ الوداع کہلایا، اسی حج میں دین اسلام کے مکمل ہونے کا اعلان ہوا کہ "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کعبہ شریف کی تعمیر و مرمت قبیلہ جرہم نے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نانہالی تھے، پھر عمالقہ نے، بنی جرہم کی کچھ عرصہ کے لئے یہاں حکومت ہوئی تھی، ان کے بعد قصی بن کلاب نے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ تھے، اور قبیلہ قریش کے اہم ترین جد مانے جاتے ہیں، مرمت و تعمیر کروائی پھر قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ قبل نبوت میں تعمیر کی اور جب حجر اسود کے اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھے جانے اور اس سعادت کو حاصل کرنے کے سلسلہ میں آپس میں کشمکش ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی حکیمانہ فیصلہ فرما کر ان کا جھگڑا ختم کرایا، آپ نے فیصلہ دیا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا جائے اور اس کے کونے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی پکڑ کر اٹھائے، پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کو اس کی جگہ پر جما دیا، آپ کے فیصلہ پر سب مطمئن ہوئے اور اس طرح پر آپ کی اہم شرکت اور رہنمائی شامل ہو گئی قریش رقم کی کمی کی وجہ سے کعبہ شریف کے ہر حصہ کو اس کے سابقہ نقشہ کے مطابق مکمل نہ کر سکے، اور تھوڑی سی جگہ چھوڑ دی انہوں نے شمالی طرف کی دیوار اندر کی طرف ہٹا کر بنائی جس کی وجہ سے اندرون کعبہ کا ڈھائی تین گز کا حصہ عمارت سے باہر ہو گیا جو کہ اب حطیم کے اندر اور حجر اسمٰعیل میں شامل ہے، یہ قطعہ فضیلت اور حکم کے لحاظ سے اندرون کعبہ ہی کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لئے طواف اس کے باہر سے کرنا ضروری ہے نیز قریش نے دو دروازوں میں سے صرف مشرقی دروازہ کو باقی رکھا، مغربی دروازہ کو بند کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشہ کے مطابق بنانے کی رہی، اس خواہش کی تکمیل بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں کی اور کعبہ کی عمارت میں تبدیلی کر کے اصل شکل میں کر دیا لیکن بعد میں حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں یعنی ۷۴ھ میں کعبہ کی عمارت کو پھر قریش کے نقشہ کے مطابق کر دیا حجاج کے بعد کعبہ کی مرمت و تعمیر سلطان مراد ترکی نے گیارہویں صدی ہجری میں حجاج کے نقشہ کو باقی رکھتے ہوئے کی موجودہ عمارت انہی کی تعمیر ہے، حجاج بن یوسف کے بعد خلفاء اسلام نے باوجود خواہش کے قریشی نقشہ میں اس لئے تبدیلی نہیں کی کہ اس کی تبدیلی اہل اقتدار کا کھلونا نہ بن جائے۔

باب کعبہ: بیت اللہ کے شرقی گوشہ سے متصل یہ کعبہ کا دروازہ ہے اور بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے صرف یہی ایک راستہ ہے، قریش کی تعمیر کے قبل اس کے مقابل مغربی جانب دوسرا اور بھی دروازہ تھا، لیکن جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، وہ قریش نے اپنی تعمیر میں نہیں بنایا تھا۔

کعبہ معظمہ کے دروازے کی کرسی اونچی ہے جو بیت اللہ کے اندر کے فرش کی کرسی ہے اور یہ کرسی بیت اللہ کے بیرونی صحن کی کرسی سے قدآدم سے زیادہ بلند ہے کعبہ کا دروازہ عموماً بند رہتا ہے خاص خاص موقعوں پر کھولا جاتا ہے، اندر جانے کے لئے سیڑھی لگائی جاتی ہے دروازے کے پٹ سونے چاندی کی منقش چادر سے ڈھکے ہوئے ہیں۔

ملتزم شریف: باب کعبہ کا فاصلہ بیت اللہ کے مشرقی گوشہ سے جس میں حجر اسود لگا ہوا ہے، ڈھائی تین گز کا ہے، باب کعبہ سے اس گوشے تک کی دیوار کو ملتزم کہتے ہیں، ملتزم کے معنی ہیں چمٹنے کی جگہ، لوگ اس سے لپٹتے ہیں، اور دعائیں کرتے ہیں، یہ قبولیت دعا کی بڑی اہم جگہ ہے، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ:۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مادعا احد بشیئ فی ھذا الملتزم الا استجیب لہ۔

(میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس ملتزم پر جس نے کچھ مانگا اس نے پایا۔

حطیم: ہلال کی شکل کی ایک دیوار ہے جو کعبہ کی شمالی دیوار کے سامنے ڈیڑھ گز کے فاصلہ پر رکن عراقی سے رکن شامی تک نصف دائرہ کی شکل میں بنی ہوئی ہے، اس کی بلندی آدمی کے سینہ تک ہے، اس کے اوپر پر نقش و نگار کے ساتھ پتھر جڑے ہوئے ہیں، اور اس کے اوپری حصہ پر دائرہ میں کچھ عبارت کندہ ہے جس میں قرآن مجید کی بعض آیتیں لکھی ہوئی ہیں، اسی کے ساتھ تعمیر کرنے والے کی تاریخ بھی لکھی ہوئی ہے، طواف کرنے والا کعبہ معظمہ کی طرح اس کو بھی اپنے بائیں جانب کر کے طواف کرتا ہے حطیم کے اندر نماز نفل مسجد حرام کے عام دوسرے حصوں کے مقابلے میں افضل بتائی گئی ہے، اس حطیم اور کعبہ کی دیوار کے درمیان کی تین گز زمین حجر اسماعیل کہلاتی ہے۔

حجر اسماعیل: کعبہ اور حطیم کے درمیان کے فرش کو کہتے ہیں، اس میں سے تقریباً تین میٹر دیوار کعبہ سے متصل فرش دراصل خانۂ کعبہ

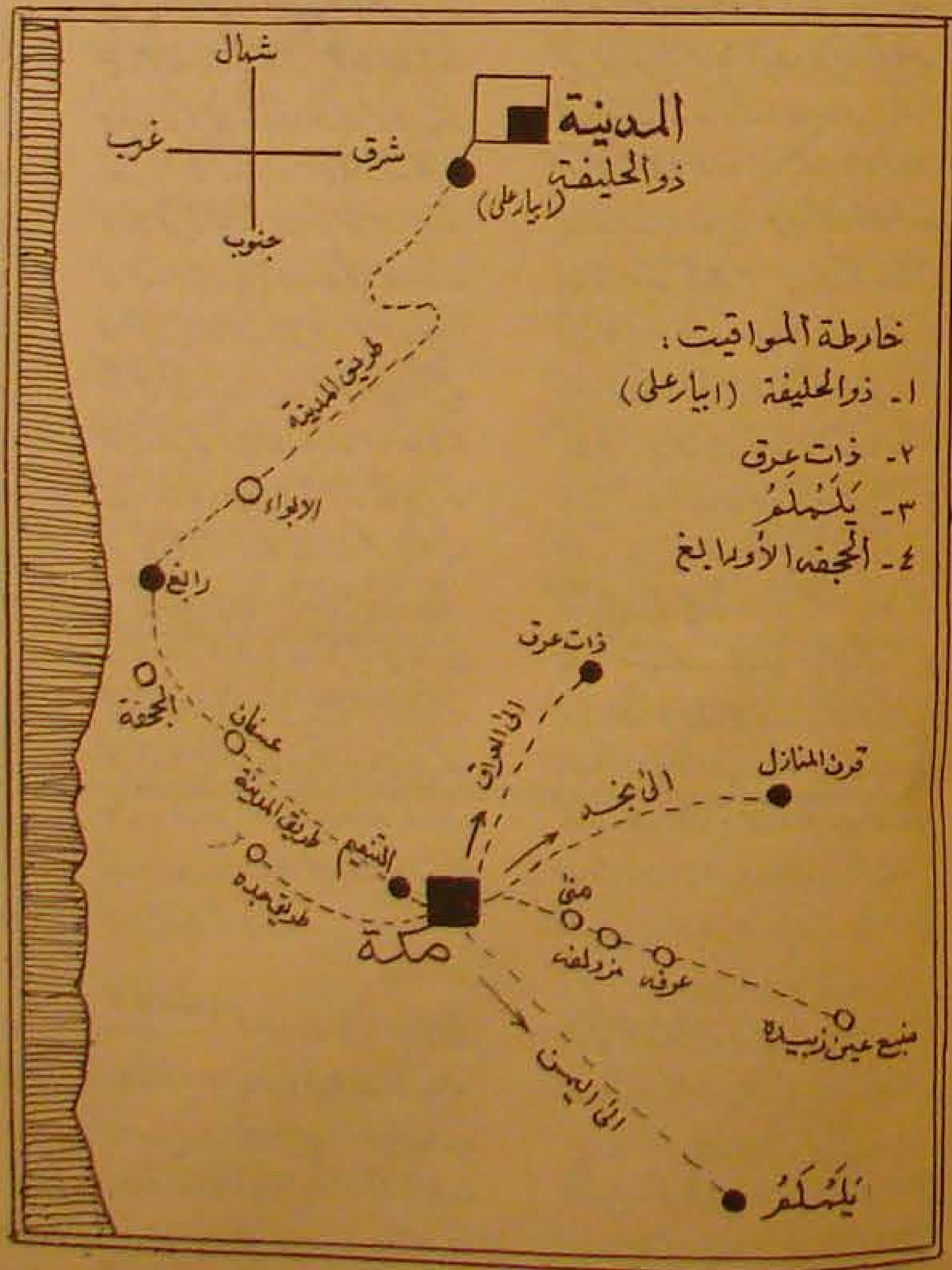

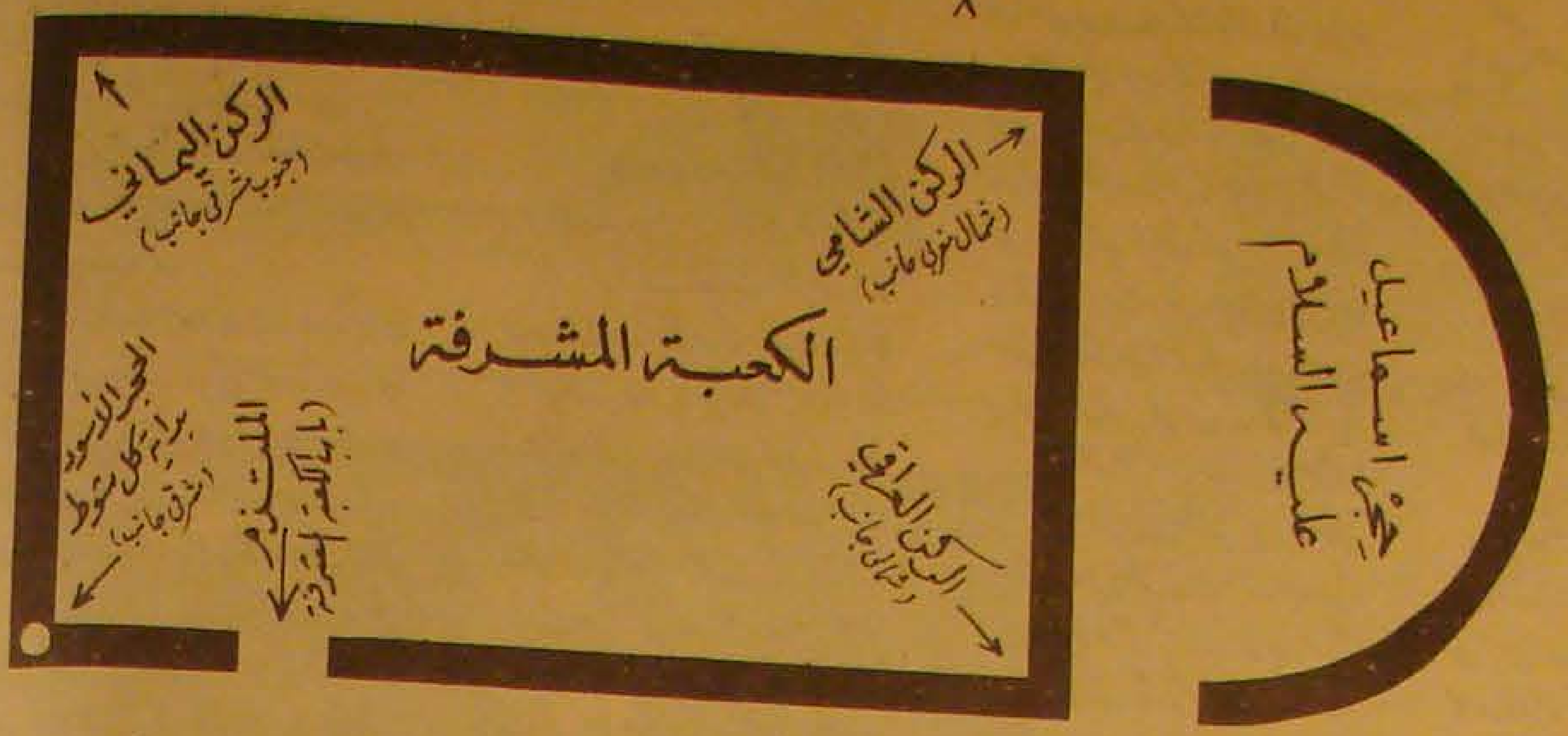

کے اندر کا جزو ہے جو قریش سے پہلے تعمیر میں شامل تھا، قریش نے روپیہ کی کمی کی وجہ سے اس کو باہر کر دیا تھا، اس پر خوبصورت پتھر کا فرش بچھا ہوا ہے، اس پر نماز پڑھنا گویا خانۂ کعبہ کے اندر ہی نماز پڑھنا ہے، طواف کے وقت اس کو طواف کا راستہ بنانے میں طواف نہیں ہوتا کیونکہ یہ قطعہ کعبہ کے اندرونی حصہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مقام ابراہیم: یہاں چند گز بلند جالیوں کی دیواروں پر ایک گنبد بنا ہوا ہے، اسی کے اندر مقام (وہ پتھر) رکھا ہوا ہے جس پر کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوا کرتے تھے، یہ مقام پہلے مطاف سے باہر ملتا تھا، لیکن جب سے مطاف میں توسیع کر دی گئی ہے یہ مقام مطاف کے اندر ہو گیا ہے، مقام کے پیچھے اور اس کے ارد گرد لوگ طواف کی دو رکعتیں پڑھتے ہیں، پتھر بلور کے ایک ٹکڑے کے اندر رکھا ہے، اس پتھر پر اب تک قدموں کے نشان ظاہر ہیں، وہ ایک عظیم الشان اور اسلامی یادگار ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک محفوظ رکھا ہے، اسکے پاس نماز پڑھنا مستحب ہے، یہ پتھر فتح مکہ سے قبل دیوار کعبہ کے قریب اس گڑھے میں رکھا تھا، جس کو المعجن کہتے تھے، فتح مکہ کے بعد موجودہ جگہ پر منتقل کر دیا گیا، شاید اس لئے کہ طواف کعبہ کی صورت میں ایک پتھر کا طواف نہ ہو، اور اس کی تعظیم ایسی نہ ہو، جو بت پرستوں کے عمل سے مشابہت رکھتی ہو۔

مطاف: یہ وہ گول پختہ صحن ہے، جو کعبہ اور حطیم کے ارد گرد بنا ہوا ہے، اس پر سنگ مرمر بچھا ہوا ہے، اس میں بیت اللہ کے قریب کا تقریباً نصف صحن میں طواف کیا جاتا ہے، اور اس کو مطاف (یعنی جائے طواف) کہتے ہیں۔

چاہ زمزم: خانۂ کعبہ کے مشرقی جانب واقع ہے، اس کے (نکلنے) کی یہ تاریخ بتائی جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو شام سے لے کر مکہ کی طرف ہجرت کی تھی، مکہ میں اس وقت نہ کوئی آدمی تھا اور نہ پانی ہی تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو سخت پیاس معلوم ہوئی تو وہ پانی کی تلاش میں صفا و مروہ پر دوڑتی پھریں، لیکن انھیں پانی نہیں دستیاب ہوا، حتیٰ کہ انہوں نے ایک آواز سنی اور اس کی طرف وہ دوڑیں، تو جبرئیل علیہ السلام زمزم کی موجودہ جگہ پر تھے، انہوں نے ایڑی سے کریدا، اور کہا جاتا ہے کہ اپنا پیر مارا، زمین سے پانی ابل پڑا، حضرت ہاجرہ نے اس سے پیا اور اپنے بچہ کو پلایا، جب سے یہ کنواں اور اس کا پانی متبرک سمجھا جاتا ہے، زمزم کے علاوہ یہاں پانی کا کوئی اور سوتہ نہ تھا، اسی لئے مکہ کو وادی غیر ذی زرع یعنی بے کاشت کی وادی کہا گیا ہے، زمزم کا سوتہ ہو جانے سے یہ جگہ آباد ہونے لگی اور مکہ ایک آباد جگہ سے آبادی بن گیا، قبل اسلام عربوں کی بے توجہی سے یہ کنواں ڈھک گیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب نے اس کو کھلوایا تب سے دوبارہ جاری ہو گیا، اور اب کم فراوانی کے ساتھ جاری ہے۔

حضرت جابرؓ نے اس کی فضیلت کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ماء زمزم لما شرب لہ" کہ (زمزم سے وہ ملتا ہے، جس کے لئے وہ پیا جاتا ہے) اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ نے فرمایا کہ "خیر ماء علی وجہ الارض زمزم" (سطح زمین میں سب سے بہتر پانی آب زمزم ہے) کیمیائی تحقیقات اور طبی مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ زمزم کا پانی ان اجزاء پر مشتمل ہے، جن سے جگر، معدہ، آنتوں اور گردوں کو فائدہ پہونچتا ہے، کم پینے سے بھی فائدہ ہوتا ہے، اور زیادہ پینا بھی مضر نہیں، اور بعض لوگ حجاج کو مشورہ دیتے ہیں کہ طواف قدوم کے بعد ہی زمزم خوب پی لینا چاہئے تاکہ سفر کی وجہ سے معدہ میں جو خرابی ہو گئی ہو دور ہو جائے۔

مقامات حج

منیٰ: منیٰ مکہ مکرمہ سے تقریباً دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں تین جمرات ہیں جن کو حجاج اپنے قیام منیٰ کے درمیان کنکریاں مارتے ہیں منیٰ ہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنے محبوب بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کرنے کے لئے لے گئے تھے، راستہ میں تین جگہ شیطان نے بہکایا تھا، ان ہی تین جگہوں کو حجاج کنکریاں مارتے ہیں اور ان کو جمرات ثلاثہ یا تین شیطان کہا جاتا ہے، ان میں سے بڑا جمرۃ العقبہ اور بقیہ دو الجمرۃ الوسطیٰ اور الجمرۃ الصغریٰ کہلاتے ہیں، ان جمرات کے دو رویہ عمدہ سڑکیں بنی ہوئی ہیں۔

مقام منیٰ حج کے تین چار دنوں میں بہت آباد ہو جاتا ہے، ۸ ذی الحجہ کو حجاج صبح سے یہاں پہونچ جاتے ہیں، اور یہیں سے درحقیقت حج کے شعائر شروع ہوتے ہیں، اور یہیں پر ختم بھی ہوتے ہیں، حجاج یہاں آٹھویں، دسویں، گیارہویں، بارہویں اور کبھی کبھی تیرہویں ذی الحجہ گزارتے ہیں، درمیان میں نویں ذی الحجہ کا دن عرفات میں اور نویں اور دسویں کی درمیانی شب مزدلفہ میں گزارتے ہیں، یہ دونوں موخر الذکر مقامات منیٰ کے بعد ملتے ہیں، منیٰ میں سب سے اہم جگہ مسجد خیف ہے، یہ چوکور اور کھلے سائبان کی ایک مسجد ہے، درمیان میں ایک قبہ بنا ہوا ہے، یہ اسی جگہ واقع ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، حجاج اپنے حج کے جانوروں کو منیٰ کے ایک حصہ میں جس کو اب منحر کہتے ہیں ذبح کرتے ہیں، اسی مناسبت سے منیٰ کا نام منیٰ پڑا ہے کہ جس کے معنی خون بہانے کے ہیں۔ منیٰ جن پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے ان کو اخشبین یا اخاشب کہتے ہیں، منیٰ یوں تو غیر آباد جگہ تھی لیکن اس میں بہت سی عمارتیں بن گئی ہیں جن میں سے کچھ تو حجاج کے آرام و مصالح کے لئے، اور کچھ وہ ہیں جو مکہ مکرمہ کے امراء نے اپنی تفریح و آرام کے لئے بنا رکھی ہیں، اب مکہ مکرمہ کی آبادی اس قدر پھیل گئی ہے کہ منیٰ کا علاقہ مکہ مکرمہ سے تقریباً مل گیا ہے، منیٰ کے حدود شرعی طور پر بطن محسر سے جمرۃ العقبہ تک ہیں۔ جمرۃ العقبہ کے بعد منیٰ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ بطن محسر بجانب مشرق مزدلفہ کے رخ پر ایک وادی ہے اور جمرۃ العقبہ بجانب مغرب مکہ مکرمہ کی سمت ایک گھاٹی ہے۔

عرفات: مکہ مکرمہ سے تقریباً ۲۱ کیلومیٹر کے فاصلہ پر بجانب مشرق شہر طائف کے رخ اور راستہ پر ایک بڑی وسیع وادی یا میدان ہے جس میں نہ کوئی آبادی ہے اور نہ کوئی عمارت یہ میدان اپنے تین اطراف سے پہاڑی سے گھرا ہوا ہے، درمیان میں اس کے شمالی جانب جبل الرحمۃ ہے، یہی وہ جگہ ہے جہاں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور خطبہ ارشاد فرمایا، اسی لئے حاجی کے لئے افضل ہے کہ جبل الرحمۃ کے پاس دوران وقوف عرفہ میں جاکر دعا کرے، کہا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوا عرفات میں ملے تھے اسی لئے ان کا نام عرفہ پڑا اور یہ جگہ عرفات کہلائی، عرفات کی وجہ تسمیہ کے متعلق اور بھی باتیں کہی جاتی ہیں، نویں ذی الحجہ کو خاص کر زوال کے وقت سے یہاں حجاج جمع ہوتے ہیں جس کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا، یہاں حاضری کو وقوف عرفہ سے تعبیر کرتے ہیں، نویں ذی الحجہ کو عرفات کا وہ میدان جو سال کے بقیہ حصوں میں ہر متنفس سے خالی ہوتا ہے، ایک بڑے شہر میں تبدیل ہو جاتا ہے، نویں ذی الحجہ عصر و مغرب کے درمیان اس میدان میں لکھوکھا انسان موجود ہوتے ہیں، جو دعا و عبادت میں مصروف ہوتے ہیں مغرب کا وقت آتے ہی نماز مغرب پڑھے بغیر مزدلفہ کے لئے واپسی شروع ہو جاتی ہے مزدلفہ اس کے اور منیٰ کے درمیان ایک مقام ہے، لہٰذا دوسرے دن صبح کو یہ میدان پہلے کی طرح سنسان اور خالی ہو جاتا ہے، میدان عرفات کی مسجد، مسجد نمرہ کہلاتی ہے، مسجد نمرہ سے متصل بجانب مغرب مکہ مکرمہ کے رخ پر ایک چھوٹی وادی بطن عرنہ واقع ہے، مسئلہ کے رو سے وہ عرفات کی سرحد ہے، وقوف عرفات یہاں تک صحیح ہے اس میں بشرط جماعت اور امام وقت کی موجودگی کے ظہر و عصر ملا کر پڑھنے کا حکم ہے، نماز عصر کو مقدم کرکے نماز ظہر میں ملا لیا جاتا ہے امام خطبہ دیتا ہے اور ظہر و عصر پڑھاتا ہے، اس مسجد کی تعمیر پانچویں صدی میں ہوئی ہے، اب مکہ سے عرفات تک کئی نفیس سڑکیں بن گئی ہیں۔ جو جبل الرحمۃ تک جاتی ہیں، جبل الرحمۃ کے نیچے ایک قہوہ خانہ بھی ہے، عام دنوں میں لوگ سیر کے لئے یہاں جاتے ہیں، مکہ مکرمہ سے طائف کو نیا راستہ اب اسی طرف سے گیا ہے، اس کے لئے ایک عمدہ سڑک بنا دی گئی ہے، اس سڑک کے راستہ میں ایک

کافی اونچا پہاڑ ہے، جو جبل کرا کہلاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعوت اسلام کے لئے طائف تقریباً اسی راستہ سے تشریف لے گئے تھے۔

مزدلفہ: منیٰ اور عرفات کے درمیان یہ ایک وادی ہے، اس کو مشعر حرام کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے کہ "فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام"۔

یہاں بھی ایک مسجد ہے، جہاں حجاج مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھتے ہیں، عرفات میں مغرب ہونے کے باوجود حکم یہی ہے کہ مغرب موخر کی جائے اور عشاء کے ساتھ مشعر حرام میں پڑھی جائے، صبح ہونے سے پہلے یہاں سے روانگی ہوتی ہے، منیٰ میں جمرات کو مارنے کے لئے کنکریاں بھی یہیں سے لیجاتی ہیں، یہاں سے روانہ ہو کر حجاج منیٰ آجاتے ہیں، اور دسویں کی صبح سے حج کے بقیہ دن منیٰ میں گزارتے ہیں۔

بطن محسّر: مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان راستہ میں ایک گھاٹی بطن محسر ملتی ہے، جس کے متعلق شریعت کا حجاج کو یہ حکم ہے کہ وہاں تیزی سے گزریں، کہا جاتا ہے کہ اصحاب فیل پر یہیں عذاب آیا تھا۔

حج کا طریقہ

حج کا احرام: اگر آپ قران یا افراد کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچے تھے تو آپ کا احرام برابر جاری ہوگا، اور آپ کو اب حج کے لئے کوئی نیا احرام باندھنا نہ ہوگا، اپنے اسی بندھے ہوئے احرام پر آپ حج کریں گے، لیکن اگر آپ تمتع کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئے تھے تو آپ نے عمرہ پورا کرنے کے بعد احرام کھول دیا ہوگا، اور اب آپ کو حج کا احرام باندھنا ہے، اس کا طریقہ اور نیت اسی طرح کرنا ہوگی جیسا کہ آپ نے عمرہ کے احرام میں کی، آسانی اس میں رہے گی کہ آپ منیٰ روانہ ہونے کے دن آٹھویں ذی الحجہ ہی کو حج کا احرام باندھئے، اگر فجر کی نماز کے بعد دن نکلنے سے پہلے باندھنا ہو تو احرام کی نفل نماز پڑھے بغیر باندھ لیجئے، اور اگر دن نکلنے کے بعد باندھنا ہو تو دو رکعت نفل پڑھ کر باندھئے نماز سے قبل احرام کی ایک چادر لنگی کی طرح باندھئے اور ایک چادر کی طرح اوڑھ لیجئے، سلام پھیرنے پر فوراً حج کی نیت کیجئے اور ساتھ ہی تین دفعہ لبیک پڑھئے "لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک" اس کے بعد جو جی چاہے دعا کیجئے۔

منیٰ روانگی: حتی الامکان کوشش کیجئے کہ آپ کا معلم سویرے ہی آپ کو روانہ کر دے منیٰ مکہ سے تقریباً تین میل ہے، عموماً لوگ موٹر سے جاتے ہیں، طاقت ہو اور کوئی رکاوٹ نہ ہو تو پیدل بھی بہ آسانی جا سکتے ہیں آج منیٰ پہونچکر کوئی خاص کام نہیں کرنا ہے بلکہ صرف وہاں رہنا ہے۔ یہ سنت ہے کہ وہاں آٹھویں کا دن اور آٹھویں، نویں کی درمیانی رات گذاری جائے پانچ نمازیں (آٹھویں کی ظہر، عصر، مغرب، عشا اور نویں کی فجر) منیٰ میں پڑھی جائیں لیکن بیکار رہنا مناسب نہیں، ذکر اور تلاوت میں وقت گذارنا چاہئے۔

عرفات روانگی: نویں کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لئے روانہ ہونا ہے، عرفات منیٰ سے ۱۵ کیلومیٹر ہے، لوگ پیدل بھی جاتے ہیں، لیکن تکان کا اندیشہ ہو تو پیدل جانا ٹھیک نہیں ہے، موٹر سے جانا چاہئے حج کی اس سب نقل و حرکت میں لبیک پڑھنے کا اہتمام رکھنا چاہئے، عرفات پہنچ کر زوال کے پہلے جی چاہے تو آرام کر لیجئے اور کھانے وغیرہ کی ضروریات سے فارغ ہو جائیے زوال سے پہلے ہی وضو کر لیجئے، غسل کرنا مستحب ہے ضروری نہیں ہے۔ وضو کے بعد اگر کوئی بڑی دشواری نہ ہو تو مسجد نمرہ میں پہنچ جانا چاہئے، امام کی اقتدا میں پہلے ظہر پھر اسی سے متصل عصر کی نماز پڑھنا ہوگا، اور اگر آپ کا مکہ مکرمہ میں قیام پندرہ روز سے کم ہو تو آپ امام کے ساتھ قصر کر سکتے ہیں، بشرطیکہ امام مسافر ہو اور اگر امام مسافر ہو اور قصر کرے تو خود چاہے مسافر ہو یا مقیم امام کی اقتدا میں نہ پڑھئے بلکہ دونوں نمازوں کو الگ الگ ان کے خاص وقتوں میں چاہے اکیلے یا جماعت کے ساتھ پڑھئے، ظہر پڑھنے کے بعد کوشش کیجئے کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو، شام تک پورا وقت دعا و استغفار میں، الحاح و زاری اور رونے گڑگڑانے میں صرف کیجئے، ظہر کے بعد فوراً امام کے ساتھ جبل رحمت کے قریب وقوف کے لئے جانا اور دھوپ میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا کرنا افضل ہے، مگر دھوپ میں کھڑے ہونے سے عذر یا تکلیف ہو تو جبل رحمت ہی کے قریب سایہ میں یا اپنے خیمہ ہی میں دعا وغیرہ کرتے رہئے، جب دھوپ کی تیزی کم ہو تو لبیک لبیک پکارتے ہوئے جبل رحمت کے پاس جائیے، جبل رحمت عرفات میں وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں وقوف (قیام) فرمایا تھا یہاں خوب رو رو کر دعائیں کیجئے اور اگر خرچ کے اندیشہ یا کمزوری کی وجہ سے اپنے خیمہ ہی میں رہ گئے اور بیٹھے ہی بیٹھے دعا و استغفار کرتے رہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، کھڑے ہو کر وقوف کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے، اور اگر جبل رحمت تک جانے میں گم ہونے، دھوپ کی شدت سے بیمار ہونے یا ہجوم میں دلجمعی کے ساتھ دعا وغیرہ نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو یہی اچھا ہے کہ خیمہ ہی میں پورا وقت جی لگا کر دعا و استغفار اور درمیان درمیان میں لبیک پڑھنے میں گذار دیجئے دوسری کتابوں میں نیز ان چھوٹے چھوٹے جیبی رسالوں میں جو حاجیوں کو مکہ سے مفت مل جاتے ہیں لمبی لمبی دعائیں لکھی ہیں، لیکن اگر اتنا بھی کر لیں کہ قبلہ رو کھڑے ہو کر سو بار "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" پھر سو بار سورۂ "قل ھو اللہ احد" پھر سو بار نماز میں جو درود پڑھی جاتی ہے پڑھ کر اپنے اور متعلقین اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرتے رہیں تو کافی ہے، کسی سے اتنا بھی نہ ہو سکے تو بار بار لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، آخر تک اور "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" پڑھتا رہے، اور جو جی چاہے دعا کرے آج ہی کا دن اس سارے سفر کا حاصل اور لب لباب ہے اس کی قدر پہچاننا چاہئے، اور ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرنا چاہئے۔

مزدلفہ روانگی: آفتاب ڈوبنے کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ روانہ ہو جائیے، مزدلفہ عرفات سے چھ میل ہے وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء ایک ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھئے آج اس جگہ دونوں نمازوں کا جمع کرنا واجب ہے، یہ رات بڑی مبارک ہے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ حاجیوں کے حق میں یہ رات شب قدر سے بڑھ کر ہے اس لئے جس قدر شب بیداری کر کے ذکر و دعا توبہ و استغفار، تلاوت و درود کا ورد کر سکیں کیجئے، اچھا ہے کہ مغرب و عشا سے فارغ ہو کر کچھ دیر ذکر و دعا وغیرہ کرکے سو جائیے اور بہت سویرے جاگ کر تہجد پڑھئے اور برابر تلاوت اور ذکر و دعا میں مشغول رہئے، اس کے بعد آج یہ افضل ہے کہ فجر کی نماز صبح صادق ہونے کے بعد خوب اندھیرے میں پڑھئے پڑھ کر جبل قزح پر یا اس کے آس پاس اگر وقوف کیجئے، اس وقت میں بھی درود شریف، تکبیر و تہلیل، استغفار، تلبیہ اور اذکار کی کثرت کیجئے اور اگر کوئی بتانے والا نہ ہو یا قوت نہ ہو تو جہاں قیام ہے وہیں مشغول رہئے۔

منیٰ واپسی: جب سورج نکلنے میں بقدر دو رکعت نماز پڑھنے کے (یعنی تقریباً ۲۰ منٹ) رہ جائے تو منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیے چونکہ حجاج کی کثرت کی وجہ سے معلمین کو بروقت موٹریں روانہ کرنے میں دشواری ہوتی ہے، اس لئے عام طور پر حاجیوں کو مزدلفہ سے نکلنے میں بہت دیر ہو جاتی ہے اور دن خاصا نکل آتا ہے، یہ مجبوری کی صورت ہے بہر حال کوشش ہونا چاہئے کہ حتی الوسع تاخیر نہ ہو، روانہ ہونے سے قبل اچھا یہ ہے کہ مزدلفہ ہی سے جمرات کو مارنے

کے لئے کنکریاں لے لی جائیں منیٰ پہونچنے پر اب حاجی کا قیام کم از کم تین روز تک یہیں رہیگا، صرف طواف کے لئے ایک بار مکہ جانا ہوگا، منیٰ میں قیام کے تین دن ایام معلومات کہلاتے ہیں، ان میں حاجی کو روزانہ جمرات پر کنکریاں مارنا ہوتی ہیں اور پہلے ہی روز قربانی کے بعد بال بنوا کر احرام کھول دینا پھر مکہ جا کر فرض طواف جو کہ طواف زیارت کہلاتا ہے ادا کرنا ہوتا ہے، دسویں تاریخ کو پہلے دن اگر نہ کر سکے تو گیارہویں، بارہویں تک بھی گنجائش ہے۔

دسویں تاریخ کے کام: منیٰ میں پہونچکر

پہلا کام یہ کیجئے کہ جمرۂ عقبہ (کنکری مارنے کی آخری جگہ) جس کو عوام بڑا شیطان کہتے ہیں سات کنکریاں ماریئے، اس کے بعد قربانی کر کے بال منڈوا لیجئے یا کتروا لیجئے اب آپ احرام سے باہر ہو گئے۔

۱۔ جمرۂ عقبہ کو پہلی کنکری مارنے کے ساتھ لبیک کہنا موقوف ہو جائے گا، اسکے بعد لبیک نہ کہئے، کنکری مارتے وقت یہ دعا پڑھئے۔ "بسم اللہ اکبر رغما للشیطان ورضی للرحمٰن، اللھم اجعلہ حجا مبرورا وذنبا مغفورا وسعیا مشکورا" یہ یاد نہ ہو تو کوئی دوسرا بھی ذکر کیجئے۔

۲۔ قربانی ہو تو قربانی کے بعد اپنے بال بنوانا ہوگا، بال خود اپنے ہاتھ سے بھی بنا سکتے ہیں دوسرے حاجی کے بال بھی کاٹ سکتے ہیں۔

۳۔ اگر کسی کا حج، حج افراد ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے، جس کو قربانی کرنی ہے وہ قربانی کے بعد بال بنوائے اور پھر اس کا احرام کھلے گا قربانی نہ ہو تو رمی کے بعد ہی بال بنوائے جا سکتے ہیں۔

۴۔ دسویں تاریخ کو اگر با آسانی ممکن ہو تو منیٰ سے ایسے وقت چلے کر طواف زیارت اور سعی سے فارغ ہو کر مسجد حرام میں با جماعت نماز ظہر پڑھے تو بہتر ہے بعض حضرات نے اسی کو مسنون لکھا ہے اور بعض نے واپس آ کر منیٰ میں ظہر پڑھنے کو مسنون بتایا ہے، لیکن آج کل مزدلفہ سے منیٰ آنے میں اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ رمی اور ذبح پھر حلق سے فارغ ہوتے ہوتے موقع ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اس لئے جب موقع ملے اسی وقت طواف زیارت کے لئے مکہ آنا چاہئے مگر مکہ سے لوٹ کر منیٰ ہی میں رات گزارنی چاہئے۔

۵۔ اس طواف اور سعی کا بھی وہی طریقہ ہے جو عمرہ کے طواف میں بتایا گیا ہے

لیکن چونکہ اس میں احرام کی حالت نہ ہوگی، اس لئے اس میں اضطباع نہیں ہے اور نہ اس سعی کے بعد سر منڈوانا یا بال کتروانا ہے۔

منیٰ میں تین روز:

۱۔ دسویں تاریخ کو کنکری مارنے کا وقت صبح صادق سے گیارہویں کی صبح صادق تک ہے، اگر گیارہویں کو صبح صادق ہو گئی اور دسویں کی کنکری نہیں ماری تو دم واجب ہے یعنی اس کے تاوان میں قربانی کرنا ہوگی۔

اس دن کا مسنون وقت سورج نکلنے کے بعد سے زوال تک ہے اور زوال سے غروب تک مباح ہے اور غروب کے بعد صبح صادق تک مکروہ ہے۔

۲۔ دسویں کو صرف آخری جمرہ پر کنکری مارنا ہے۔

۳۔ گیارہویں کو تینوں جمروں پر کنکری مارنا واجب ہے، پہلے جمرۂ اولیٰ پر جو مسجد خیف کے قریب ہے، پھر وسطیٰ پر، اس کے بعد جمرۂ عقبہ پر جو آخر میں ہے۔

۴۔ گیارہویں کو زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارنا ہے، بارہویں کو بھی ایسا ہی کرنا ہے۔

۵۔ گیارہویں اور بارہویں کو رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے رمی جائز نہیں۔

۶۔ اگر تیرہویں کو بھی ٹھہر کر رمی کر کے واپس آنا ہے تو بہت اچھا ہے تیرہویں کو صبح صادق سے غروب تک وقت رہتا ہے، مگر زوال کے بعد مسنون ہے اس کے پہلے مکروہ وقت ہے۔

۷۔ اگر تیرہویں کو رکنا نہ ہو تو بارہویں کو غروب سے پہلے منیٰ سے نکل جانا چاہئے۔

۸۔ ہجوم کے خوف سے عورت کی طرف سے دوسرے کا رمی کرنا جائز نہیں ہے اگر اس سبب سے عورت نے رمی نہیں کی تو فدیہ واجب ہے۔

۹۔ عورت دسویں کو سورج نکلنے سے پہلے اور گیارہویں، بارہویں کو سورج غروب ہونے کے بعد کنکری مارے تو مکروہ نہیں ہے، بلکہ عورت کو رات میں رمی کرنا افضل ہے۔

۱۰۔ بارہویں یا تیرہویں کو منیٰ سے مکہ آتے ہوئے محصب (جس کو آج کل معابدہ کہتے ہیں) میں تھوڑی دیر اتر کر خواہ سواری روک کر ٹھہرنا اور دعا

کرنا چاہئے، اگر نہ کر سکے تو گناہ نہیں مکہ کو لوٹنے پر حج کے ضروری اعمال پورے ہو گئے اب صرف ایک طواف، طواف وداع باقی رہ گیا ہے، جو وطن واپسی پر کرنا ہوگا۔

مکہ مکرمہ واپسی: منیٰ سے واپسی کے

بعد جتنے دن مکہ معظمہ میں قیام ہو اسکو غنیمت سمجھنا چاہئے اور جتنا ہو سکے طواف، عمرے، نماز، روزے صدقات اور نیک کام کرنا چاہئے اپنے والدین و اقارب کی طرف سے بھی کرے معلوم نہیں پھر یہ موقع نصیب ہو نہ ہو۔

حج سے واپسی: حج کے بعد جب مکہ سے

وطن واپس ہونے کا ارادہ ہو تو طواف وداع واجب ہے، اس طواف میں نہ رمل ہے، نہ اس کے بعد سعی، حاجی کو چاہئے طواف کے بعد دوگانۂ طواف پڑھ کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر خوب پیٹ بھر کر کئی سانس میں آب زمزم پیئے، ہر سانس میں بیت اللہ کی طرف دیکھے پھر ملتزم کے پاس جا کر جس طرح پہلے طواف کے بعد دیوار کعبہ سے لپٹا تھا، اسی طرح لپٹے

اور خوب روئے گڑگڑائے اور بیت اللہ کی جدائی پر افسوس کرے پھر حجر اسود کو بوسہ دے اور روتا ہوا مسجد سے نکلے اور دروازہ پر کھڑا ہو کر دعا کرے، اللہ تعالیٰ اس کو بار بار حاضری نصیب فرمائے، یاد رہے تو یہ دعا پڑھے۔

الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ اللھم ارزقنی العود بعد العود المرۃ بعد المرۃ الی بیتک الحرام و اجعلنی من المقبولین عندک یاذا الجلال والاکرام، اللھم لا تجعلہ آخر العھد من بیتک الحرام وان جعلتہ آخر العھد فعوضنی عنہ الجنۃ یا ارحم الراحمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

حائضہ عورت طواف وداع نہ کرے صرف دروازہ پر کھڑی ہو کر دعا پڑھ لے۔

بمبئی میں

خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات

عمدہ و لذیذ

سلیمانی افلاطون

اس کے علاوہ خصوصی پیشکش

ڈرائی فروٹ برفی

ملک کیک * قلاقند * ملائی * برفی * کوکو ملائی برفی

ہر قسم کے تازہ و خستہ

بسکٹ

اور

نان خطائیاں

خریدنے کا قابل اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے، بمبئی فون 320059

بیکری: ۳۳۔ محمد علی روڈ بمبئی ۔ ۳

مُسلمان
اپنے ماضی وحال کے آئینہ میں

شیخ احمد بن عبد العزیز آل مبارک
قاضی القضاۃ ابوظبی

ہر قوم کی ایک تاریخ ہے جو برابر نقل ہوتی چلی آرہی ہے، کسی بھی قوم کے اندر جب بیداری پیدا ہوتی ہے اور اس کو اپنے اختلاف و انتشار کا احساس ہو جاتا ہے اور اپنے اجزا کو منتشر اور قوت و طاقت کے شیرازہ کو بکھرا ہوا پاتی ہے، تو موقع و محل کے اعتبار سے غور و فکر کرنے لگتی ہے اور اس وقت اس کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اپنی تاریخ کے گذشتہ اوراق پر پھر سے نظر ڈالے تاکہ اس سے عبرت و سبق حاصل کرے اور اپنی قوم کے بہادروں کے کردار و بڑائی سے وہ روشنی حاصل کرے جو اس کو متحد کر دے اور اس کی قوت و طاقت کی سابقہ پوزیشن کو بحال کر دے اور اس کے ذریعہ وہ دوبارہ عزت و بلندی کا مقام حاصل کرے تاکہ وہ اپنی تاریخ کو از سر نو صحیح بنیادوں اور نئے وسائل پر قائم کرے جس میں علم و فن بھی ہو اور قوت مقابلہ بھی ہو، ایسا کرنے کے بعد وہ ایسی روح کے ساتھ مستقبل کی طرف بڑھے جو ایمان و اعتماد سے بھرپور ہو، یہ قوت و طاقت اور قیادت و سرداری کا سب سے اونچا درجہ ہے۔

جب ہم اپنی تاریخ کے بے مثال اولین ستاروں کو دیکھتے ہیں، اسلام اور عدل و انصاف والی قوم کے پہلے قافلہ پر نظر ڈالتے ہیں، جب ہم اسلام کے ابدی پیغام کی حامل نسل کو دیکھتے ہیں، اس نسل کو دیکھتے ہیں جس نے علم و یقین کی شمع جلائی اور دین و ہدایت کا پرچم بلند کیا، خیر کو عام کیا، عدل و انصاف پھیلایا، سعادت و خوش بختی کا سچا نقش قائم کیا، وہ نسل جس نے انسانی تاریخ کی سب سے زبردست تہذیب کو وجود میں لانے کے لیے راستہ ہموار کیا، انھوں نے اپنے خون سے

شجاعت و بہادری اور ایثار و قربانی کی ایسی داستان لکھی، جو عرب قوم پر عزت و بزرگی اور قیادت کا دروازہ کھولنے کی کنجی ہے، جب ذہن اس عظیم نسل اور اس کے قائدین و بے مثال شخصیتوں کے بارے میں سوچتا ہے تو ہم کو اس میں اور اپنی موجودہ نسل میں جس کو غیروں کے عقائد و خیالات اور مختلف نظاموں سے مل کر بننے والے طریق زندگی نے مبہوت کر رکھا ہے، تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے، نسل اول نے اپنی عزت کی حفاظت کی اور اس کا اقتدار بڑھا اور مملکت کا دائرہ وسیع ہوا، اس نے اپنی نسل کو ایسا مضبوط بنا دیا کہ وہ اپنے مستقبل کی حفاظت کر سکے، چنانچہ وہ ایسی قوم بنی جس کے سامنے اس کے اخلاص، صداقت و پاکبازی کی وجہ سے ممالک عالم میں جھک گئے۔

اسلام کی نسل اول اور آج کی نسل میں موازنہ افسوسناک و رنج دہ اور بڑا دل سوز ہے۔

ایک نسل لوہے سے بھی زیادہ سخت و مضبوط ہاتھوں سے قرآن کو اٹھاتی ایسے ہاتھوں سے جن میں انسانی لطف و کرم ہے، ایسے ہاتھ سے جس کے ذریعہ خیر و سعادت پھیلائی جاتی ہے، ایسا ہاتھ جس میں ہتھیار بھی ہوتا ہے، ایمان و یقین بھی، یہ ایسی نسل ہے جس کے ذریعہ کائنات کی قسمت جاگی اور اس میں قدرت خداوندی نے برکت دی اس نسل نے انسانیت کا سر فخر سے اونچا کر دیا اور دنیا میں بہار آگئی، یہ نسل اس خدائے یگانہ کے سایۂ عاطفت میں تھی جو نہ خود کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور آج کی نسل کا یہ حال ہے الا ماشاء اللہ کہ وہ مصائب کا شکار ہے، وہ تخریبی افکار

اور دوسروں سے حاصل کردہ عقائد کی آگ میں جل رہی ہے، ایسی نسل جس کو راستہ سجھائی نہیں دے رہا ہے، ایسی نسل جو گمراہوں کے افکار و نظریات اپنائے ہوئے ہے، یہ معمولی و سطحی لوگوں کی چیزیں پڑھتی ہے اور ہر آواز لگانے والے کے پیچھے دوڑتی ہے، وہ قرآن پاک اور اپنے اسلاف کی تاریخ کو پس پشت ڈال دیتی ہے، ایسی نسل جس کے ہاتھ میں ہر وقت ریڈیو رہتا ہے اور وہ ایسی مہمل باتیں سنتی رہتی ہے جس سے عقل سلیم اور اخلاق حسنہ اباکرتے ہیں، یہ نسل سامراجیوں سے خوشہ چینی کرتی ہے، لہو و لعب میں پروان چڑھتی ہے، غیروں کی یونیورسٹیوں میں سامراجیوں اور عیسائی داعیوں کا فکر حاصل کرتی ہے، ایسی نسل جو دوسروں کی حقیر و بے مایہ تہذیب پر فخر کرتی ہے، موسم گرما، مغرب کے ٹھنڈے مقامات پر وہاں کی لغویات میں گزارتی ہے اور موسم سرما جسمانی لذات کے حصول اور تباہ کن مشغلوں میں گذارتی ہے، وہ ہپیوں کے بال رکھتی ہے اور ہمہ وقت ٹیم ٹام میں لگی رہتی ہے۔

جوانی فضل و کمال حاصل کرنے کے لئے ہے اور درمیانی عمر بھلے کاموں کے لئے، بڑھاپا مشورہ کے لئے، شاعر نے کیا خوب کہا ہے

إیہ عصر العشرین ظنوک عصرا
نیر الوجہ مسعد الانسان
لست نورا بل انت نار وظلم
مذ جعلت الانسان کالحیوان

ہمارا اس وقت کا زمانہ محنت و کوشش، علم اور عمل کر بات کرنے کا زمانہ ہے ہم کو چاہیے کہ ہم خوشامد اور چاپلوسی کا رویہ چھوڑ کر حق گوئی کو اپنائیں، ہم داخلی اور خارجی دونوں میدانوں میں نوجوانوں کے حقیقی کام و فرائض کو بیان کریں اور پورے اعتماد کے ساتھ بیان کریں، ایسی قوم کی طرح جس کی اپنی ایک تاریخ ہے، اس کی اپنی قدریں اور روایات، اخلاق و عادات ہیں، ہمارے اکثر نوجوان امریکہ، انگلینڈ، جرمنی اور روس جایا کرتے ہیں جو ترقی یافتہ ممالک ہیں، وہ ان ملکوں میں عمر کے اس دور میں جاتے ہیں جب اپنے عقیدہ میں پختہ و تیار نہیں ہوتے، یہ ہر عرب اور اسلامی ملک کی دشواری ہے جو گہرے مطالعہ اور صحیح و پختہ حل کی متقاضی ہے تاکہ اسلامی معاشرہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکے اور ترقی یافتہ ملکوں

سے آنکھیں ملا سکے اور حقیقی انسانی تہذیب کو وجود بخشنے میں ان سے بڑھ جائے، ایسی تہذیب نہیں جس میں نوجوان لڑکے لڑکیاں ساحل سمندر کی تفریح گاہوں میں جمع ہوں، اور شیطان ان کے ساتھ لگا ہو یا رقص و سرود کی مجلسوں میں آنا جانا ہو جہاں شیطان ننگا ناچ ناچتا ہے۔

ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کی شاندار تاریخ ہے، اس تاریخ کا اب بھی باقی رہنا ضروری ہے اگر بیداری و ترقی کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائے تو استعمار و صیہونیت دکھلا کے رہ جائیں گے اس وقت ہمارے معاشرہ کے نوجوان تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، ایک جماعت تو وہ ہے جس نے صحیح و درست رخ پر چلنے کا فیصلہ کیا ہے ان کو نا سمجھ و کم عقل کہنے والے ان کے عزم و حوصلہ کو بدل نہیں سکتے، ان پر بے عقلی کا الزام وہی لوگ لگاتے ہیں جو خود عقل سے کورے ہیں، خدا کی ذات سے امید ہے کہ ان نوجوانوں کی تعداد بڑھے گی اور اللہ تعالیٰ ان کو ثابت قدم رکھ کر دین کو قوت و مضبوطی بخشے گا۔

دوسری جماعت وہ ہے جو حق و صداقت کی راہ پر چلنا تو چاہتی ہے مگر اس کو صحیح رخ پر ڈالنے والا کوئی نہیں، بلکہ اس کو راہ حق سے روکنے اور ہٹانے والی چیزیں سامنے آتی ہیں، اس کی ذمہ داری حکام پر آتی ہے ان سے خدا ہی سمجھے گا اور انتقام اسی کے اختیار میں ہے۔

تیسری جماعت وہ ہے جو دین سے ہٹے ہوئے، گمراہ و عیاش اور دوسروں کے پھندے میں پھنسے ہوئے لوگوں میں شامل ہو گئی، اس کے لئے ہم دعا کے سوا کیا کر سکتے ہیں کہ خدا ان کو دوبارہ حق و صداقت کی راہ پر واپس لائے۔

وہ نسل جو فضل و کمال کی مالک ہے اور اسلامی اخلاق پر عمل پیرا ہے اچھی عادات و خوبیوں کی مالک ہے اور بڑی سے بڑی قربانی پیش کرتی ہے وہی اپنے دشمنوں پر فتح و غلبہ حاصل کر سکتی ہے اور اپنے لاکھوں بھائیوں کی امیدوں کو بر لا سکتی ہے، پس ایسی نسل کی ضرورت ہے جو اپنے عقیدہ اور اسلامی قدروں سے واقف ہو اور اپنی تاریخ سے باخبر ہو تاکہ دشمن پر فتح و غلبہ حاصل کرنے کے اسباب کو اختیار کر سکے، ایسی نسل جو اپنے پیغام و دعوت اور تہذیب و ثقافت سے واقف ہو اور

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

کتاب کی کہانی صاحب کتاب کی زبانی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

"ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی شاہکار تصنیف (Master piece) ہے۔ عربی میں قاہرہ و بیروت سے اس کے (قانونی) بارہ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ انگریزی، اردو، فارسی، ترکی میں بھی اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ یہ کتاب مولانا کی تصانیف میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے نامور اہل قلم اور مصر جدید میں اسلامی فکر اور اسلامی دعوت کے سب سے بڑے علمبردار سید قطب رقمطراز ہیں، "اس موضوع پر قدیم و جدید لٹریچر میں چند بہترین کتابیں جو میری نظر سے گذری ہیں ان میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی جدید تصنیف "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" (مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا) خاص مقام رکھتی ہے۔ مولانا سے الملک عبدالعزیز یونیورسٹی کی ایک علمی تقریب میں فرمائش کی گئی کہ وہ ماذا خسر العالم پر تقریر کریں۔ انھوں نے اس موقع پر اپنی زبان سے اس کی تصنیف کی کہانی سنائی جو ٹیپ کرلی گئی تھی۔ عام افادہ کی غرض سے اس کا اردو ترجمہ نذر قارئین ہے ——— (ترجمانی: محمد صدر الحسن ندوی)

اس سنجیدہ اور علمی محفل میں مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے اور میں اسے ایک مصنف کی قدر افزائی سمجھتا ہوں کہ اس سے خود اپنی کسی تصنیف کے بارے میں سوال کیا جائے۔ کتاب کے مصنف کو جب یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لوگ اس کی حقیر تصنیف اور اس کی علمی سرگرمیوں کے بارے میں باہم گفتگو کرتے ہیں تو مصنف اسے فال نیک سمجھتا اور اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ میں ایک حقیر مصنف اور اسلام کے کوچہ کا ایک ادنی سپاہی ہونے کی حیثیت سے ایسے مواقع کو غنیمت سمجھتا ہوں اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں اس لئے کہ جب میں علمی اداروں کے دانشوروں اور جامعہ الملک عبدالعزیز (ملک عبدالعزیز یونیورسٹی) جیسے عظیم ادارہ کے ذمہ دار اور علمی بحوث سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو دیکھتا ہوں کہ وہ میری حقیر تصنیف سے اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں جو میری بالکل ابتدائی تصنیف ہے تو مجھے مسرت کے ساتھ ایک اعزاز بھی محسوس ہوتا ہے۔ میں نے یہ کتاب اس وقت لکھی جب میری عمر تیس سے کچھ ہی متجاوز ہوئی تھی۔ موضوع اہم تھا اور اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ بات کچھ مناسب نہ تھی کہ مجھ جیسا شخص اس کم عمری میں اس پر خامہ فرسائی کرے وہ بھی ایسے ملک میں جو مرکز اسلام، دینی ثقافت اور عربی زبان کے منبع سے بہت دور واقع ہوا تھا۔ اس لئے کہ میری پیدائش اور نشو و نما ہندوستان میں ہوا۔ اور بیرون ہند سفر کا کوئی موقع اس وقت تک ہاتھ نہیں آیا تھا۔ پہلا سفر جس کی اللہ تعالی نے توفیق دی وہ تھا جب میں نے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے ۱۹۴۷ء میں حجاز کا سفر کیا یعنی اس کتاب کی تالیف کے تین یا چار سال کے بعد ——— حقیقت میں یہ ایک علمی "مہم جوئی" تھی جس کے لئے میں نے شایان شان تیاری نہیں کی تھی۔ یہ ایک طرح کی علمی جسارت تھی کہ میں اس اہم موضوع کو اختیار کروں، جس کے لئے ایک کہنہ مشق منجھا ہوا قلم، پختہ عقل اور وسیع تجربہ کی ضرورت تھی، لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ میں اپنے اندر لکھنے کا ایک بے پایاں جذبہ محسوس کر رہا تھا جس پر میں غالب نہیں آسکتا تھا، گویا کوئی غیر مرئی قوت مجھے اس موضوع پر لکھنے پر آمادہ کر رہی تھی اگر میں عقل سے مشورہ کرتا اور تصنیف کے نشیب و فراز اور موضوع کی اہمیت و نزاکت کو سوچتا تو اس ارادہ ہی سے باز آجاتا اور اگر میں کسی اہل قلم اور مصنف سے اس کا تذکرہ کرتا تو وہ مجھے "دخل در معقولات" پر ملامت کرتا اور کہتا "ایاز قدر خود را بشناس" لیکن اچھا ہوا کہ میں نے اس معاملہ میں کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ ترجمان حقیقت نے اسی موقعہ کے لئے فرمایا ہے ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

میرا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں علماء اور مصنفین سے میرا مشورہ نہ کرنا ہی بہتر ہوا۔ میں اپنے اندر ایسا محرک محسوس کر رہا تھا جو مجھے آگے کی جانب ڈھکیل رہا تھا۔ اس وقت جن مآخذ کی مجھے تلاش تھی وہ بھی ہندوستان میں نایاب تھے کیونکہ وہ زمانہ دوسری جنگ عظیم کا تھا اور ہندوستان اور عرب ممالک کے تعلقات تقریباً منقطع ہو چکے تھے۔ ہندوستان علمی بحوث اور تاریخی مراجع کے میدان میں تہی دست تھا جب کہ عالم عربی اور خاص کر مصر اس سے مالا مال تھا، لیکن کوئی طاقت مجھے آگے بڑھا رہی تھی۔ میں درحقیقت اپنے قابو میں نہ تھا بلکہ کوئی غیر مرئی طاقت مجھے آگے بڑھا رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی دھیمی آواز مجھ سے یہ کہہ رہا ہو کہ اس موضوع پر کتاب ضرور لکھو۔

اس کتاب کا نام بھی نئے طرز کا تھا، اور اس کا موضوع بھی علیحدہ نوعیت کا تھا جس کی بنا پر اکثر اصحاب قلم اور مصنفین نے اس طرف توجہ کی۔ اس کتاب کا نام "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" تھا۔ کیا مسلمانوں کا دنیا کے مستقبل سے کوئی گہرا ربط اور تعلق ہے؟ اور کیا اس کا سررشتہ بین الاقوامی حالات سے منسلک ہے؟ کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کوئی خسارہ برداشت کرنا پڑا اور مسلمانوں کے دوبارہ مسند قیادت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد دامن دنیا لعل و گہر سے مالا مال ہو جائے گا۔

اس زمانہ میں اور اس دور سے پہلے جس میں یہ کتاب لکھی گئی لوگ مسلمانوں کی طرف عالمی تاریخ کے دریچہ سے دیکھنے کے عادی تھے یا وہ مسلمانوں کی طرف صرف ایک قوم یا ایک جماعت کی حیثیت سے دیکھتے تھے حالانکہ مسلمانوں کو ان کی حیثیت عرفی دینے کا تقاضا یہ تھا کہ کہا جائے کہ وہ صاحب رسالت اور صاحب دعوت قوم ہے۔ مورخین اور مصنفین کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرف اس حیثیت سے دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ایسی جماعت ہے جس سے ایک خاص تاریخ وابستہ ہے اور وہ نوع انسانی کے انبوہ کے مختلف النوع عناصر میں سے ایک عنصر ہے، لیکن اس کتاب کے مصنف نے جرأت ادیک گر نہ بے باکی سے کام لیا اور اس لگے بندھے حدود اور اس روایتی حلقہ کو توڑنے کی کوشش کی جس سے عرب و عجم کے مصنفین منسلک تھے۔ مصنف نے ارادہ کیا کہ وہ دنیا کی طرف مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے دیکھے کیونکہ ان دونوں نظریوں کے درمیان نمایاں فرق ہے۔ ایک میں انسان مسلمانوں کی طرف عالم کے دریچے سے جھانکتا ہے کہ مسلمان اور دنیاوی قوموں کی طرح ایک قوم ہے جو وسیع پیمانہ پر رونما ہونے والے واقعات کے سامنے سپر انداز ہو جاتی ہے، لیکن بہت کم دنیا کی طرف مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی گئی۔

ہمارے مصنفین ہمیشہ اس سے بحث کرتے ہیں کہ فلاں واقعہ سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچا، فلاں تبدیلی سے ان کو کیا مضرت لاحق ہوئی، فلاں حکومت کے زوال سے ان کو کن برے نتائج سے دوچار ہونا پڑا، موجودہ مغربی ترقی کے سبب کیا کیا انقلابات آئے، صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں انہیں کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مغل حکومت کے انحطاط اور عثمانی سلطنت کے زوال سے مسلمانوں کی عظمت و سطوت کو کن کن

صدمات کا بار اٹھانا پڑا۔ جب مغرب نے مسلمانوں کے قلعوں کو فتح کیا تو ان پر کیسے کیسے خطرات کے بادل منڈلائے۔ مسلمانوں کو اقتصادی، سیاسی اور جنگی میدان میں فقر سے کیا نقصان پہونچا، یہی وہ روایتی طریقہ تھا جس کے لوگ عادی ہو گئے تھے، لیکن اللہ تعالی نے میرے دل کے اندر یہ بات ڈالی کہ میں اس موضوع پر کتاب لکھوں کہ "مسلمانوں کے زوال سے عالم انسانیت کو کیا نقصان پہونچا" گویا کہ مسلمان ایک بین الاقوامی عامل کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ دنیا کے تمام معاملات میں ان کی حیثیت ایک بنیادی محرک کی ہے۔ ان کا دائرہ نفوذ صرف سیاسی حلقوں اور جغرافیائی تقسیم کے اندر محدود نہیں ہے۔ درحقیقت یہ ایک علمی یافت تھی اسی لئے اس کتاب نے مؤلف کی کم عمری اور علمی بے مائیگی کے باوجود لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی، اس لئے نہیں کہ اس نے کوئی ایسی کتاب لکھی تھی جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں لکھی گئی یا جس سے مصر اور عالم اسلام بے خبر تھا اور جو تاریخ کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ ایک نیا اور اچھوتا راستہ اختیار کرے۔ میں اپنی ہیچمدانی اور تہی دامنی کے باوجود خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس کم عمری میں مجھے ایسی کتاب کے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ میں اس موضوع پر جدید اسلوب اور نئے گوشہ سے قلم اٹھاؤں اور وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے زوال سے دنیائے انسانیت کو کیا نقصان پہونچا۔

کیا مسلمان اس پوزیشن میں ہیں کہ انکے بارے میں کہا جائے کہ ان کے زوال سے دنیا کو نقصان پہونچا۔ کیا مسلمان اس عظیم رتبے پر جلوہ افروز تھے کہ کہا جائے کہ ان کے میدان حیات سے پیچھے ہٹنے سے سفینۂ انسانیت ہچکولے کھانے لگی، میں ڈرتے ڈرتے یہ بات کہتا ہوں کہ ایسے مصنفین نے (جو درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں) اسی طرز فکر اپنایا۔ وہ طویل جنگیں جو مسلمانوں کے ساتھ تاریخ اسلام میں پیش آئیں، وہ احساس کمتری جس سے جدید نسل دوچار ہوئی، ان سب نے ہمارے مصنفین کو اس بات سے باز رکھا کہ وہ مسلمانوں کے مسئلہ کو عالم انسانیت کے مسئلہ سے جوڑیں۔ کیا مسلمان عالم کی قیادت کر سکتے ہیں؟ مسلمان کمزور ہیں، مسلمان بے نوا ہیں، مسلمان مغرب کی استعماری طاقتوں کے محکوم ہیں، موجودہ انقلابات کی زد میں ہیں تو کیا ان حالات میں یہ بات بھلی معلوم ہوگی کہ مسلمانوں کے مستقبل سے (مسلمانوں کے موجودہ حالات سے نہیں) انسانیت اور دنیا کا مستقبل جوڑا جائے۔ بہت سارے مسلمان اس وقت اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ مسلمان ایک اہم پوزیشن کے مالک ہیں اور اپنا ایک مخصوص مقام رکھتے ہیں۔ انہی اسباب کی بنا پر اس موضوع پر اس گوشے سے بھی غور کرنے کی ضرورت تھی۔

میں نے کتاب بہت ہی پس و پیش کے بعد لکھی کیونکہ میں کوچہ تالیف کا نومشق اور بساط عربی کے نو واردوں میں تھا میرا عربی سے صرف تعلیم و تعلم کا تعلق تھا، لیکن اللہ تعالی جس کسی چیز کا ارادہ لیتا ہے تو پھر اس کے لئے اسباب بھی مہیا فرما دیتا ہے۔

میرے دل میں بار بار یہ بات پیدا ہوتی تھی کہ کیا لوگ اس کتاب کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے؟ کیا خالص عربی ماحول میں اس کی پذیرائی ہوگی اس لئے میں نے تعارف کے طور پر اس کتاب کی ایک فصل ڈاکٹر احمد امین بک (جو مصر کے "لجنة التالیف والترجمة والنشر" کے ناظم تھے) کی خدمت میں بھیجی۔ میری یہ آرزو تھی کہ ڈاکٹر احمد امین جو ایک مشہور مصنف ہیں اور ان کے فجر الاسلام اور ضحی الاسلام کا سلسلہ علمی دنیا میں اپنا ایک مخصوص مقام رکھتا ہے، کو پسند آجائے۔ اتفاق سے مجھے خط ملا جس میں دلدہی اور ہمت افزائی کے کلمات تھے۔ انھوں نے کتاب کا کچھ حصہ نمونہ کے طور پر مانگا۔ میں نے نمونہ کے طور پر کچھ حصے ان کی خدمت میں بھیج دئے۔ انھوں نے "لجنة التالیف والترجمة والنشر" سے اسے طبع کرانا چاہا اور اس پر ایک مقدمہ بھی لکھا لیکن اس مقدمہ کے اندر وہ قوت نہ تھی جس کی مجھ کو ایک عظیم اسلامی مصنف سے توقع تھی لیکن اس "لجنة" کی طرف سے اس کتاب کی طباعت نے علمی حلقوں کو اس کی طرف متوجہ کیا اور اس کی پذیرائی میری توقعات سے کہیں زیادہ ہوئی۔

مسلمانوں کے انحطاط و زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا، ابھی اس کا جواب باقی ہے جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ایک مصنف کے لئے سب سے دشوار بات یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی کتاب کا خلاصہ بیان کرے۔ ایسی کتاب جس میں اس نے راتوں کی نیند اور دن کے آرام کو تج کر اپنی زندگی کا ایک لمبا وقفہ صرف کیا ہو اور اس کے لئے مراجع و مصادر کی بادیہ پیمائی کی ہو لیکن اس کے باوجود اس کا جواب دینے کی کوشش کروں گا کیونکہ میں ہی اس کا زیادہ حقدار ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال سے دنیائے انسانیت نے اپنا متاع گرانمایہ کھو دیا اور اپنی وہ شاہ کلید گم کر دی جس کی اس کو سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اس لئے کہ مسلمان ہی عالم انسانیت کی حقیقی معنویت، زندگی کے استحقاق، بقا اور صحیح مقاصد میں اس کی رہنمائی کرتے تھے۔

زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کی تخلیق کے کیا اسباب ہیں؟ یہ دنیا عالم وجود میں کیوں آئی؟ ان وسائل کی جو زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں، کیا ضرورت تھی؟ اللہ تعالی نے انسانی طبیعت میں یہ عظیم طاقت ودیعت کیوں رکھی؟ یہ سب بنیادی سوالات ہیں، جس کی مسلمان ہی علت بیان کرتے اور اس کی لاہوتی تفسیر کرتے تھے۔ مسلمان ہی تنہا اس ابدی پیغام کے حامل تھے جو اللہ نے ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے بخشا تھا اور تنہا مسلمانوں کو ہی یہ حق تھا کہ وہ اس دقیق و وسیع اور عام منصوبہ کی وجہ بتلائیں جس پر اللہ نے اس کائنات کی بنیاد رکھی ہے اور اس راز سربستہ کی پردہ کشائی کریں جس کے لئے اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے واذ قال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفة، اور ارشاد ہوتا ہے ولقد عرضنا الأمانة علی السمٰوٰت والارض فأبین أن یحملنها وحملها الانسان۔ انسان نے کیوں اس بار گراں کو اٹھایا اور اللہ تعالی کیوں فرماتا ہے" وعلم آدم الاسماء" (اللہ تعالی نے حضرت آدمؑ کو اشیاء کے خواص کا علم دیا) اور کیوں فرشتوں نے اسی سوال کے جواب سے پہلو تہی کی۔ جب اللہ نے ان سے پوچھا تو فرشتوں نے کہا أتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک اس کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا یا آدم انبئھم باسمائھم فلما انبأھم باسمائھم قال ألم أقل لکم انی اعلم غیب السمٰوٰت والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون ۵

خلافت خداوندی کا راز سربستہ کیا ہے، یہ تمام رازہی راز ہیں، یہ عظیم اور عمیق سوالات ہیں اور ان سوالات کی اہمیت بھی ہے، یہ تمام سوالات علمی دانشگاہوں، فلاسفہ، مورخین اور عظیم مصنفین کے سامنے منتظر جواب دست بستہ کھڑے ہیں، ان کا فرض ہے کہ ان سوالات کا جواب دیں۔ لیکن وہ اس کا جواب نہیں دے سکتے جب تک وہ اس پیغام کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ اگر وہ اس حقیقت تک پہونچ گئے کہ اللہ نے انسانوں کو کیوں پیدا کیا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے أفحسبتم أنما خلقناکم عبثا وأنکم إلینا لا ترجعون ۵

یہ ایک چیستان اور معمہ ہے جس کا ہم اس وقت تک سراغ نہیں لگا سکتے جب تک کہ اس پیغام کی حقیقت سے بے خبر ہیں اگر ہماری رسائی اس حقیقت تک ہوگئی کہ مسلمانوں کی پیدائش کا مقصد اصلی کیا ہے تو ہم اس حقیقت تک خود پہنچ جائیں گے کہ اس کائنات کی پیدائش کا حقیقی مقصد کیا ہے اور اگر ہم نے اس حقیقت کا سراغ لگا لیا کہ زمین کا رشتہ آسمان کبود سے اور فلک نیلگوں کا رابطہ زمین سے وحی الہی کے ذریعہ کیوں منسلک ہوا تو ہم انسان کی خلافت کا راز اور اس حقیقت اور مقصد کا پتہ لگا لیں گے جس کی طرف انسانی نسلوں کو ہر زمان و مکان میں متوجہ ہونا چاہیے۔

اگر مسلمان نہ ہوتے تو اس عالم کا کیا حال ہوتا۔ اگر یہ کائنات موجود ہوتی، یہ طبقاتی اسرار موجود ہوتے یہ وسیع و عریض فضا ہوتی اور عجائب و غرائب سے معمور دنیا ہوتی اور اسلام کا پیغام نہ ہوتا، انبیائے کرام کی بعثت نہ ہوتی، تو پوری دنیا اور پوری مسافت جو انسانی نسلوں نے اس مدت میں طے کی ہے، بے سود ہوتی، ایسا لفظ ہوتا جو بے معنی ہوتا، اور پوری کائنات ضلالت و گمراہی، فساد و بدامنی اور لہو و لعب کی آماجگاہ ہوتی۔ اسلام ہی اس کائنات کی حقیقت بیان کرتا ہے وہ پیغام جس کا بار گراں مسلمانوں کے نازک کندھوں پر ڈال کر عالم کی قیادت کے لئے قیامت تک کے لئے منتخب کر لیا گیا، جب مسلمان پیچھے ہٹے اور میدان قیادت سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور اپنی جہانبانی اور جہانگیری کے اوصاف سے دست بردار ہو گئے تو یہ پوری دنیا خونخوار جانور، خون آشام بھیڑیے اور درندوں کا جھنڈ

میں تبدیل ہو گئی اور پوری امت کا حال بکریوں کے اس ریوڑ کا سا ہو گیا جس کا کوئی گلہ بان نہ ہو، پوری انسانیت ایک بیل بدمست کی طرح ہو گئی جسے جا بجا قدموں تلے روند ڈالا، شہروں اور ملکوں کو تاخت و تاراج کیا اور انسانیت کی کشتی ڈبو دی۔

جب مسلمان دنیا کی قیادت سے دستبردار ہوئے تو مغربی دنیا بیل مست کی طرح ہو گئی ایک پاگل اور دیوانہ انسان کی طرح ہو گئی جس کے پاس ایک خنجر براں ہے، ایک تیز کٹاری ہے۔ وہ اس کے استعمال کا طریقہ نہیں جانتا، یہ نہیں جانتا کہ اسے انسانیت کی بھلائی کے لئے کس طرح استعمال کیا جائے، وہ نہیں جانتا کہ عالم نو کی تعمیر میں اس سے کس طرح مدد لی جائے۔ انسانیت کی خدمت کے لئے اسے کس طرح بروئے کار لایا جائے۔

یہ تمام ناخوشگوار حقیقت اس لئے سامنے آئی کہ مسلمان اپنے قائدانہ کردار سے دستبردار ہو گئے اور اپنی اس عظیم ذمہ داری سے کنارہ کشی اختیار کر لی جس کا اللہ نے ان کو امین بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے،

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔

میں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مؤتمر الدعوۃ میں مندوبین اور ارکان کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنی تقریر میں یہ بات کہی تھی کہ انبیائے سابقین کی بعثت اکہری تھی لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دوہری تھی، آپ کی بعثت ایک نبی کی بعثت تھی لیکن اس بعثت کے ساتھ ایک امت کی بعثت بھی شامل تھی، تو گویا دو بعثتیں ہوئیں۔ امت کے لئے ایک نبی کی بعثت اور ایک امت کی بعثت تمام امم کے لئے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

یہ ایک ایسی امت ہے جو عالم وجود میں لائی گئی ہے، یہ ایک ایسی امت ہے جو ایک منصوبہ کے تحت پیدا کی گئی ہے۔ اس کا وجود اور اس کی پیدائش محض کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ کسی تاریخی واقعہ کے ظہور کا رد عمل ہے بلکہ وہ ایک خدائی منصوبہ تھا ایسے خدا کا منصوبہ جو زبردست بھی ہے اور اسرار و رموز حقائق سے باخبر بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط۔

اس آیت کریمہ میں انسان کو "قوامین للہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کو یمن کے بعض قبائل کی طرف بھیجا تو ان سے ارشاد فرمایا بعثتم میسرین و لم تبعثوا معسرین۔

اس سے یہ حقیقت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دوہری بعثت تھی۔ صحابہ کرام اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس حقیقت کا اظہار بغیر کسی تکلف کے ان کی زبان سے ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے جب فارس کے سپہ سالار رستم سے گفتگو کی تو فرمایا "اللہ ابتعثنا" اللہ نے ہمیں مبعوث کیا ہے۔ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ "انما خرجنا، انما جئنا"، بلکہ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مبعوث کیا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دیں۔ جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ امت مبعوث کی گئی ہے جس کا مقصد انسانیت کی فلاح اور اسے راہ راست کی طرف لانا ہے تو وہ ایک عظیم المیہ تھا اور ایک عالمی ٹریجڈی تھی، وہ ایک جانکاہ اور جانگسل حادثہ تھا جس سے بڑے حادثہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ایک نامبارک ساعت تھی جب مسلمان اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے اس عظیم دوہری ذمہ داری سے جس سے اللہ نے ان کو نوازا تھا۔ یہ پوری دنیا کا المیہ تھا۔ پوری دنیا عقلی، عقائدی اور سیاسی بھول بھلیاں میں بھٹک رہی تھی اور خود ساختہ تہذیبی و تمدنی گورکھ دھندے میں مبتلا تھی۔ مصدر نور صرف ایک ہی تھا جس کے امین مسلمان بنائے گئے تھے۔ جب مسلمانوں پر سستی و انحلال کی دبیز چادر پڑ گئی وہ ایک دوسرے سے آمادہ جنگ و پیکار ہو گئے اور ان کی شخصیت سمٹ کر ان کی ذات تک محدود ہو گئی (جس کا میں نے اپنی کتاب میں مفصل تذکرہ کیا ہے) تو اللہ تعالیٰ نے ان سے قیادت کے منصب عظیم کو چھین لیا اس لئے کہ اللہ کے نیک بندے ہی حقیقتاً اس زمین کے وارث ہیں اور اس سرزمین کا وارث وہی ہو سکتا ہے جو قوت بھی رکھتا ہو اور خوئے امانت سے مالا مال بھی ہو۔

لیکن یہ دن عالم انسانیت کے لئے ایک منحوس دن تھا۔ جس دن مسلمان عالمی قیادت سے دستبردار ہوئے وہ ایک ناقابل فراموش گھڑی تھی بلکہ اس کی ایک منحوس اور نامسعود دن کی حیثیت سے یادگار منانی چاہیئے ایسا دن جو انسانیت کی تاریخ کی سب سے نامبارک ساعت تھی۔ مسلمانوں کے زوال سے انسانیت کو کیا نقصان پہونچا اس کی مختصر روداد میں نے آپ کے سامنے بیان کی۔ اگر میں اس کتاب کا خلاصہ بیان کرنا چاہوں تو کتاب پر ایک طرح کی زیادتی ہو گی اور اس وقت آپ اس کتاب کے مطالعہ سے بے نیاز بھی ہو جائیں گے۔ اس لئے میں آپ کے اور اس کتاب کے درمیان زیادہ دیر تک حائل رہنا نہیں چاہتا اور نہ اس کتاب پر ظلم کرنا چاہتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ اگر میں لمبی تقریر بھی کروں جب بھی اس کتاب کا خلاصہ بیان نہیں کر سکتا کیونکہ جو کتاب چار سو صفحات میں پھیلی ہوئی ہو اس کا خلاصہ گھنٹوں اور منٹوں میں کیسے بیان کیا جا سکتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ نوجوانان اسلام اس سلسلہ میں کیا رول ادا کر سکتے ہیں تو میں اس سلسلہ میں قرآن پاک کی آیت سے استشہاد کرتا ہوں۔ ارشاد خداوندی ہے،

انھم فتیۃ آمنوا بربھم وزدناھم ھدی۔

یہ اصحاب کہف کا قصہ ہے اور اس لائق ہے کہ بار بار بیان کیا جائے، اور دوسرا واقعہ دار ارقم کے نوجوانوں کا ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہوئے تھے اور یہ دونوں واقعات اس کے سزاوار ہیں کہ بار بار بیان کئے جائیں۔ نوجوانوں کے لئے ضروری ہے کہ قربانی پیش کریں، اپنی لذات، کھوٹے اقدار، دلی آرزو اور خوش کن مستقبل سے ہاتھ دھولیں صرف اس مقصد کے لئے کہ ہم انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگائیں گے، ہلاکت کے دہانے پر کھڑی نوع انسانی کو کامرانی و شادکامی سے ہمکنار کریں گے اور خودکشی پر آمادہ دنیا کو اس کی مذموم حرکت سے باز رکھ کر اس کے اندر زندگی کا ایک نیا عزم اور ایک نیا حوصلہ پیدا کریں گے۔ آج کے اس پر آشوب دور میں ضرورت ہے کہ کچھ نوجوان کمر کس کر نکلیں اور اپنے اس مستقبل کی قربانی پیش کریں جس سے ان کی بہت ساری امیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہیں اور ایک بار پھر حضرت صالح علیہ السلام کی سنت کی صدائے بازگشت ہمارے پردہ سماعت سے ٹکرائے اور یہ کہا جائے کہ "آپ سے تو مستقبل میں بہت ساری امیدیں وابستہ تھیں یا آپ تو ہماری تمناؤں کے محور تھے" ہم میں کتنے ایسے نوجوان ہیں جو زندگی کو جوکھم میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں، جو اپنی لذتوں، خیالی گھروندوں اور مصنوعی جزیروں سے نکلنے کے لئے کمربستہ ہیں صرف اس عظیم مقصد کے لئے کہ ہم سسکتی ہوئی انسانیت کو موت کے منھ سے نکال لیں گے۔ آج دنیا میں کچھ قدریں پائی جاتی ہیں جو مغرب کا عطیہ ہیں۔ ان میں سے "لمبی تنخواہ" "بلند منصب" "خوش عیشی کی زندگی" "حکومت کا عہدہ" "زندگی کے بہترین وسائل" کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ سب ایسی قدریں ہیں جن کی واقعات کی دنیا میں کوئی حقیقت نہیں اور نہ اس سے انسانیت کی فلاح اور معاشرہ کی اصلاح ممکن ہے۔ آج مغرب، مادہ، پیٹ اور شہوت کی پرستش میں کان تک ڈوبا ہوا ہے بلکہ مادیت کے حصول میں اس پر ایک ہسٹریائی کیفیت طاری ہے آج پورا معاشرہ اسی خبیث مرض کا شکار ہے یہ ایک ناسور ہے جس میں پوری انسانیت مبتلا ہے۔ میرے نزدیک اسی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے "حرص، طمع اور نفس" جیسے الفاظ بالکل ناکافی ہیں اور یہ واقعات کی صحیح تصویر کشی نہیں کرتے۔ آج ہر شخص اس طرح دوڑ رہا ہے گویا مجنوں ہے اور اپنی فرزانگی کھو چکا ہے۔ وہ اس طرح دوڑ رہا ہے گویا اپنے قابو میں ہی نہیں ہے اور کوئی بیرونی طاقت اسے مادیت کی طرف ڈھکیل رہی ہے۔

بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارا پورا معاشرہ مادی جنون میں مبتلا ہے اور اس کو اس خطرناک صورت حال سے صرف مسلم نوجوان ہی نکال سکتے ہیں۔ آج ہمیں ایسے زندہ دل نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اپنے مستقبل کو قربان کر سکیں اور معاشرہ کو مادیت کے پنجہ سے نکالنے کے لئے اپنی خداداد صلاحیت صرف کر دیں اور معاشرہ کو اس فساد سے پاک کر دیں جس کی لہریں مرکز اسلام میں ہر جگہ موجزن ہیں۔

از: افادات مولانا ابوالکلام آزاد رح

حامل قرآن - قرآن میں

(ابو محمد امام الدین رام نگری)

لوگوں نے حیات و سیرت طیبہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حیثیت سے بہت کم نظر ڈالی ہے کہ اگر روایات و دفاتر تاریخی سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف قرآن حکیم ہی کو سامنے رکھا جائے تو آپ کی سیرت و حیات پر کیسی روشنی پڑتی ہے جس طرح قرآن اپنی کسی بات میں غیر کا محتاج نہیں ہے اسی طرح اپنے حامل و مبلغ کے وجود و حیات کے بیان میں بھی خارج کا محتاج نہیں ہے اسی بنا پر محدثین کرام نے فضائل و مدائح قرآنیہ کے باب باندھے ہیں۔ مثلاً قاضی عیاض نے شفا کے متعدد ابواب میں قرآن حکیم کی آیات کے متعلق فضائل و مدائح جمع کی ہیں لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے آج تک کبھی اس کی کوشش کی گئی کہ صرف قرآن حکیم میں دائرہ اسناد محدود رکھ کر ایک کتاب سیرت میں مرتب کی جائے جس زمانے میں مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سیرت کے بارے میں تذکرے رہتے تھے ایک مرتبہ مجھے اس کا خیال ہوا تھا، میں نے کہا، سیرت میں ایک خاص باب یا سیرت کا ایک خاص حصہ اس عنوان سے قرار دیجئے "قرآن اور سیرت محمدیہ" اس میں صرف آیات قرآنیہ کو بربط و ترتیب جمع کر کے دکھائیے کہ خود قرآن سے کہاں تک آپ کی شخصیت اور آپ کے وقائع و ایام معلوم ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے ان کی طبیعت میں ایک خاص بات یہ تھی کہ کوئی معاملہ ہو وہ اس کی ابتدا ہمیشہ شک و شبہ و تردد سے کیا کرتے تھے اور جب تک یقین کرنے پر مجبور نہ ہو جائیں یقین کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بہر حال انھوں نے اس خیال پر بہت ہی پسندیدگی ظاہر کی مگر وہی اپنی عادت کے مطابق اظہار شک و ناامیدی، کیا اتنا مواد صرف قرآن سے کہاں نکل سکتا ہے کہ سیرت کا ایک باب مرتب ہو سکے، لیکن جب میں نے بہت اصرار کیا تو کہا۔ اچھا تم یہ ٹکڑا مرتب کر دو تو سیرت میں شامل کر دیا جائے،

آخر میں یکجائی دہلی میں ہوئی تھی، اس وقت انھوں نے کہا، اب مجھ کو بھی یہ خیال ہوتا جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے اور یہ بہت اہم چیز ہو گی چنانچہ دہلی سے آ کر میں نے کچھ وقت اس کام میں صرف کیا اور ایک مستقل سیرت نبویہ مجرد قرآن حکیم سے ماخوذ و مستنبط شروع کر دی۔ جوں جوں قدم آگے بڑھتا گیا نئے نئے دروازے کھلتے گئے، اور امید و توقع سے کہیں زیادہ کامیابی ہوئی، گو حقیقت پہلے سے پیش نظر تھی حتیٰ کہ اس بارے میں بڑا ذخیرہ آیات کا ذہن میں مستحضر تھا لیکن یہ بات تو کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں گذری تھی کہ جس کتاب کو بظاہر جا بجا ذکر احکام و مسائل اور قصص گذشتگان سے مملو پاتے ہیں اس میں اس قدر وافر ذخیرہ خاص شخص رسالت کے حالات و وقائع کا موجود ہو گا۔ کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد جو دیکھا تو ایک عجیب عالم نظر آیا، حیات و سیرت کا کوئی ضروری ٹکڑا ایسا نہیں ہے جس کے لئے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات قرآن میں نہ ہوں اور پھر نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت بلکہ صحابہ کرام کے حالات و خصائص کا بھی کافی ذخیرہ موجود ملا، صحابہ کرام کی جماعت درسگاہ "ویزکیھم" تعلیم نبوت سے نکلی ہوئی مومنون الاولون کی جماعت تھی" ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم" اس لئے ان کے سوانح و ایام بھی سیرت نبویہ کے مختلف اجزاء ہیں بلکہ ہدایت قرآنی و حکمت نبوی کے عملی و مجسم ثمرات ہونے کے لحاظ سے دلائل و آیات نبوت کے حکم میں داخل ہیں، پس یقیناً آپ کی سیرت مکمل نہ ہوتی اگر ان کے حالات بھی قرآن میں پوری شرح و تفصیل سے موجود نہ ملتے۔ اس ٹکڑے کو دیکھ کر مجھ کو آخری مرتبہ اس بارے میں یقین حاصل ہو گیا کہ اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہور دعوت کی نسبت کے بارے میں سنا ہے سب بھلا دے اور صرف قرآن ہی دنیا میں باقی رہے جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مقدسہ اور آپ کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے۔ صرف قرآن ہی اس کے لئے بس کرتا ہے کہ وہ دنیا کو بتلائے کہ اس کا لانے والا کون تھا؟ کیسے زمانے میں آیا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش و بیگانہ کیسے تھے؟ عموم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا؟ اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی؟ اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہو سکتے تھے؟ اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اس نے دنیا پر جب پہلی نظر ڈالی تو دنیا کا کیا حال تھا اور جب واپسی نظر وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکی تھی؟ غرض ایک وجود اور مشاہدہ وجود اور اعلام صداقت و عظمت کے لئے ان وقائع اور ما یتعلق بہا و بجناب ذالک میں جن جن باتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب کچھ قرآن ہی کی زبانی دنیا معلوم کر سکتی ہے اور اس بارے میں بھی قرآن اپنے سے باہر کا محتاج نہیں ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ معاملہ بھی منجملہ مہمات خصائص و اعجاز کے ہے کہ کسی پیغام کی صداقت جانچی نہیں جا سکتی جب تک پیغام لانے والے کی صداقت و امانت جانچی نہ جا سکے اور وہ ممکن نہیں جب تک اس کی پوری زندگی اور زندگی کے وقائع و اعمال دنیا کے سامنے نہ ہوں۔ پس اس اعتبار سے آج تمام عالم میں اگر کوئی صحیفہ آسمانی ایسا ہے جو اپنے لانے والے کی زندگی کے وقائع و سوانح ہر زمانے اور ہر عہد میں خود اپنی زبانی سنا سکتا ہے تو بلکہ "ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق" بجز قرآن حکیم و محفوظ کے اور کوئی نہیں، صرف یہی ایک کتاب قطعی اور یقینی ہے تو پھر ظاہر ہے کہ جس وجود و شخصیت اور اس کی حیات و سیرت کا اثبات و علوم اس کتاب کے اندر ہو گا اس سے بڑھ کر سارے دنیا کے پیچھے اور کون سی انسانی ہستی قیامت تک کے لئے اثبات دوام ہو سکی ہے اور دنیا اپنی ہدایت کے لئے کسی انسان کے سامنے جھک سکتی ہے تو وہ انسانیت کبریٰ عبدیت اعلیٰ و بشریت واحدہ کے سوا اور کون انسان ہے جس پر آنکھوں سے دیکھنے والوں کی طرح ہمیشہ یقین کیا جا سکتا ہے؟ جس پر ایمان لانے کے لئے پچھلی اتنی اور قومیں بھی پہلوں کی طرح قطعی اور یقینی روشنی رکھتی ہیں؟ اور پھر جو وجود اور سیرت و حیات قیامت تک کے لئے اس طرح محفوظ و ثبت کر دی گئی ہو، علاوہ ان نقوش غیر فانی کے جو سطح عالم پر ثبت ہیں اور جس کی زندگی کے وقائع طیبہ کو اس طرح سورج کی دائمی روشنی اور ستاروں کی یکساں سیر و حرکت کے دامن سے باندھ دیا ہو کیوں اس خاکدان جسم و زماں میں اس کی موت و حیات یکساں ہو؟ اور کیوں اس کی دائمی حیات و قیام کے عقیدہ سے انسان کے تاریک دلوں کو انکار اور غافل دلوں کو گریز ہو۔

(تذکرہ سے اخذ و تلخیص)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید سے سیرت نبوی کا جو تصور اور نقشہ پیش کیا ہے وہ بالکل واضح اور عملی ہے یہ تصور اور نقشہ "تذکرہ" کے وسیع الاطراف اور گوناگوں مسائل و مباحث کے ہنگامہ میں گم ہے اور اب تو شاید "تذکرہ" شائع بھی نہیں ہوتا، ضرورت ہے کہ کوئی صاحب ہمت مولانائے مرحوم کے نقشہ کو عملاً بروئے کار لانے کے لئے اٹھ کھڑا ہو جس کی قرآن مجید پر وسیع اور گہری نظر ہو، مزید برآں وہ قرآن مجید کا خصوصی ذوق بھی رکھتا ہو، اگر ایسی کتاب شائع ہو جائے تو رسالت محمدی کی صداقت و حقانیت پر بلاشبہ ایک منفرد کتاب ہو گی، جو شخص اس کام کو سرانجام دینے کے لئے تیار ہو وہ جدید تصورات و افکار پر تنقیدی نظر رکھتا ہو اور مفید و ضروری حواشی سے کتاب آراستہ ہو، کیا ندوۃ العلماء کے حلقے سے یہ توقع بجا نہ ہو گی کہ کوئی مرد کار اٹھے گا؟ کسی کی نظر بے ساختہ ندوہ کی ایک بلند و بالا قد اور شخصیت کی طرف نہ اٹھے گی؟؟

اقبالؒ اور افغانستان

شمس تبریز خاں

اقبالؒ نے اپنے کلام میں جن اقوام و اشخاص کو اپنی پسندیدگی کا موضوع بنایا ہے ان کی تاریخ اسلام اور تاریخ عالم میں ایک خاص معنویت و انفرادیت ہے اور ان کی پسند اور حسن انتخاب کی داد دینا پڑتی ہے، اسلامی ادبیات کے ناقدوں کے لئے ان کے یہ انتخابات نشان منزل اور سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال اور افغانستان دونوں کی یہ خوش بختی ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے کے جوہر کو پہچانا اور دونوں ایک دوسرے سے قریب آگئے۔

افغانستان اور افغانیوں سے اقبال کی دلچسپی میں غالباً برصغیر کے مسلمانوں کی افغانستان سے دیرینہ وابستگی و دلچسپی کا بھی دخل ہے جو اسلامی اخوت کے علاوہ خونی و نسلی رشتے پر بھی مبنی ہے۔ عربوں اور ترکوں کے ساتھ افغانوں کی قومی غیرت اور دینی حمیت بھی انھیں بار بار اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور وہ نہ صرف اس کے قائل نظر آتے ہیں بلکہ اسے اپنی مدح و ستائش کا مصداق قرار دیتے اور پُرجوش خراج عقیدت ادا کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اقبال نے فارسی کو اظہار خیال کا ذریعہ بناتے وقت افغانستان کو خاص طور پر پیش نظر رکھا تھا کیونکہ اس ملک کی جغرافی اہمیت اور افغانوں کی صلاحیت و اہلیت سے ان کی گوناگوں امیدیں اور آرزوئیں وابستہ تھیں اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی وفادار افغانی قوم کے لئے انھوں نے اپنے کلام کا معتد بہ حصہ مخصوص کیا اور اپنے سفر افغانستان کی روداد کے لئے "مسافر" کے نام سے ایک مستقل مثنوی لکھی اور 'ضرب کلیم' میں 'محراب گل افغان کے افکار' کے عنوان کے تحت ۱۹ نظمیں لکھیں۔

۱۹۲۳ء میں اقبال کا دوسرا مجموعۂ کلام 'پیام مشرق' شائع ہوا جس کا مدعا اقبال کے الفاظ میں "اُن اخلاقی، مذہبی اور ملی حقائق کو پیش نظر لانا ہے جن کا تعلق افراد و اقوام کی باطنی تربیت سے ہے" قابل ذکر بات یہ ہے کہ انھوں نے اس مجموعہ کا انتساب امیر افغانستان شاہ امان اللہ خاں مرحوم کے نام سے کیا ہے جس کے بارے میں وہ اس مجموعہ کے دیباچے میں لکھتے ہیں:-

"اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالک مشرق میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافی حدود سے بالاتر کر کے اُن میں ایک صحیح اور قومی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو' قابل احترام ہے' اسی بنا پر میں نے ان چند اوراق کو اعلیٰ حضرت فرمانروائے افغانستان کے نام نامی سے منسوب کیا ہے کہ وہ اپنی فطری ذہانت و فطانت سے اس نکتے سے بخوبی آگاہ معلوم ہوتے ہیں اور افغانوں کی تربیت انھیں خاص طور پر مدنظر ہے۔ اس عظیم الشان کام میں خدا تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہے"۔

(اقبال کے نثری افکار، مرتبہ عبدالغفار شکیل ص ۱۴۲)

اس انتساب و پیشکش کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے ؎

اے امیر کامگار اے شہریار — نوجوان و مثل پیراں پختہ کار
چشم تو از پردگیہا محرم است — در میان سینہ ات جام جم است
عزم تو پایندہ چوں کہسار تو — حزم تو آساں کند دشوار تو
ہمت تو چوں خیال من بلند — ملت صد پارہ را شیرازہ بند۔ الخ

امیر افغانستان کے لئے اقبال کا یہ انتساب روایتی طرز کا نہیں بلکہ انکے دلی جذبات و توقعات کا آئینہ دار ہے انھوں نے اسی انتساب میں جنگ عظیم اور خلافت عثمانیہ کے شیرازہ بکھرنے کے نتیجے میں مسلم ممالک کی زبوں حالی اور درماندگی کا ماتم کرنے کے بعد افغانستان کی طرف اپنی نگاہیں اٹھائی ہیں اور ان احساسات کا اظہار کیا ہے کہ یہ بہادر ملت جو کوہ و دمن میں رہتی ہے اس کی رگوں میں گویا شیروں کا خون دوڑتا ہے، یہ زیرک، قوی الجثہ، روشن جبیں قوم عقابوں کی طرح تیز نگاہ واقع ہوئی ہے اور ایک زندہ قوم کی تمام خوبیاں رکھتی ہے مگر دنیا سے ابھی اس کا حصہ نہیں ملا ہے اور ابھی اس کے مقدر کا ستارہ چمکا نہیں اور وہ اپنے کہستاں میں کشمکش زندگی سے الگ تھلگ اور خلوت گزیں ہے پھر امیر افغانستان کو مشورہ دیتے ہیں کہ آئین صدیقؓ و عمرؓ کی پیروی کرتے ہوئے آپ بھی غیور افغانوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ کیجئے تاکہ آپ کا شمار بھی اس امت کے صدیقوں میں ہو اور آپ کی ذات دین کے لئے سرمایۂ قوت اور سرچشمۂ طاقت بن جائے۔

پھر فرماتے ہیں کہ علم و حکومت ہی سے کسی ملت کی شیرازہ بندی ہوتی ہے اور اسے دوام و استحکام حاصل ہوتا ہے، اس لئے علم کو احرار امت اور علمائے ملت سے اور حکومت و دولت کو سینۂ کہسار سے حاصل کیجئے کہ آپ کے بدخشاں میں لعل و گہر کی کوئی کمی نہیں اور برق سینا کی تجلی آپ کے کہستاں میں بھی موجود ہے ؎

ملت آوارۂ کوہ و دمن — در رگ او خون شیراں موج زن
زیرک و روئیں تن و روشن جبیں — چشم او چوں جرہ بازاں تیز بیں
قسمت خود از جہاں نایافتہ — کوکب تقدیر او ناتافتہ
در قہستاں خلوتے ورزیدۂ — رستخیز زندگی نادیدۂ
جان تو بر محنت پیہم صبور — کوش در تہذیب افغان غیور
تا ز صدیقان ایں امت شوی — بہر دیں سرمایۂ قیمت شوی الخ
(پیام مشرق)

افغانستان سے ان کی محبت کے جلوے ان کے کلام میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں اور ان کے گہرے تاثرات و محسوسات کی ترجمانی کرتے ہیں جیسے یہ اشعار ؎

بسے گذشت کہ در انتظار زخمہ ورلیست — چہ نغمہا کہ زخون شد بہ ساز افغانی (پیام مشرق)
اگرچہ زادۂ ہندم فروغ چشم من است — ز خاک پاک بخارا و کابل و تبریز (")
افغان باقی، کہسار باقی — الحکم للہ، الملک للہ! (ضرب کلیم)
فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی — یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی (")
آسیا یک پیکر آب و گل است — ملت افغاں دراں پیکر دل است (جاوید نامہ)
از فساد او فساد آسیا — در کشاد او کشاد آسیا! (")
مغل سے کسی طرح کمتر نہیں — قہستاں کا یہ بچۂ ارجمند (بال جبریل)
سرزمینے کبک او شاہیں مزاج — آہوئے او گیرد از شیراں خراج (مسافر)
در فضایش جرہ بازاں تیز چنگ — لرزہ بر تن از نہیب شاں پلنگ (")

افغانوں سے اقبال کو اس لئے تعلق خاطر ہے کہ وہ ان کے 'مرد مومن' اور 'شہباز و شاہیں' کے تخیل پر بڑی حد تک پورے اترتے ہیں ان میں انھیں فقر غیور، غیرت و حمیت، خودداری و وضعداری، جرأت و جسارت، بے نیازی و بلند نگاہی اور قوت و صلابت جیسی پاکیزہ صفات نظر آتی ہیں، اقبال کو افغانوں کی مذہبیت و اسلامیت، فطرت پسندی و آزادہ روی، آزادی سے عشق اور غلامی سے نفرت، عدل پروری و مساوات پسندی، ظلم و استبداد کی عدم برداشت اور اس کے خلاف اُن کا ناقابل تسخیر عزم و حوصلہ اور خطر پسندی و مہم جوئی کا ولولہ بے اختیار اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ان کے لئے افغانوں اور سرحدی قبائل کا یہ مخصوص امتیاز بہت اہمیت رکھتا ہے کہ ان کی آزاد سرزمین کبھی غلام یا غلامی پر رضامند نہیں ہوئی، یہ ان کا پختہ یقین ہے کہ کوہستانی اور صحرائی قومیں فطرت سے زیادہ قریب ہوتی ہیں اور ان میں انسانی خصوصیات اپنی اصلی حالت پر رہ کر تہذیب و تمدن کی کثافت و آلودگی سے بچی رہتی ہیں اور ان میں قبول حق کی صلاحیت اور امکانات زیادہ پائے جاتے ہیں، ان کے دل و دماغ کے سادہ ورق پر پیغام حق بآسانی نقش اور پتھر کی لکیر بن جاتا ہے وہ ایمان و یقین کی پختگی کے ساتھ فولادی شخصیت اور آہنی اعصاب و ارادے کے مالک ہوتے ہیں اس لئے اگر وہ حق کو حق سمجھ لیں تو اسکے لئے لڑنے مرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اقبال نے یہ نظریہ فلسفۂ تاریخ و اجتماع اور خاص طور پر عربوں، ترکوں اور افغانوں کی تاریخ کے مطالعہ اور مشاہدہ کے بعد اپنایا ہے جس کی صداقت و واقعیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ کلام اقبال کے وہ چند اشعار ملاحظہ ہوں جن

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر)

ذرائع ابلاغ کی جاکرتا کانفرنس

محمود الازہار ندوی

اسلامی ذرائع ابلاغ کی کانفرنس میں جو یکم ستمبر سے ۳ ستمبر تک انڈونیشیا کے دارالسلطنت جاکرتا میں ہوئی تھی، شدت سے محسوس کیا گیا ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ اسلامی خبروں سے پہلو تہی کرتا رہا ہے اور عالم اسلام اور مسلمانوں سے متعلق خبروں کو برائے نام نمائندگی دیتا رہا ہے اس کانفرنس نے اپنے اعلانیہ میں جن چیزوں کو شامل کیا ہے وہ اس لحاظ سے اہم ہے۔

اس کانفرنس میں مواصلاتی نظام کو منصوبہ بند کرنے پر غور کیا اور نیوز پرنٹ کی صنعت قائم کرنے جیسی تجویزیں پیش ہوئیں اور مسلم ممالک کے خبر رساں اداروں کو متحد کر کے دشمن کا مقابلہ اور عالم اسلام کا اخبار نکالنے کی بات کہی۔

اب تک عالم اسلام کے ممالک اپنے نشریاتی اداروں کو ایسے ناموں سے ضرور موسوم کرتے چلے آئے ہیں جس سے ان کی ہمہ گیری اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے لیکن ان کی نشریات ملک کے حدود سے آگے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں اور اس کا دائرہ بھی صرف نشریاتی پروگراموں تک ہی محدود رہتا تھا جیسے قاہرہ کا نشریاتی ادارہ صوت العرب' بغداد کا صوت العروبہ اور سعودیہ کا صوت الاسلام۔ ان تینوں کے مابین نہ تو تعاون تھا اور نہ نظریاتی طور پر ایک دوسرے سے قریب تھے، مگر جاکرتا کانفرنس نے نشریاتی اداروں سے لے کر کتب اور اخبارات جن کی حیثیت مسلمات میں سے ہے توجہ مبذول کرانے کی ایک نئی کوشش کی ہے اور اس کا اظہار بھی اس کانفرنس میں کیا گیا ہے۔

اسلامی ذرائع ابلاغ نے اپنے اعلانیہ میں نوآبادیاتی نظام جارحیت، فسطائیت، صیہونیت، الحاد اور نسل پرستی جیسی تمام رجحانات کا مقابلہ اور غیر اسلامی افکار و خیالات کی اشاعت پر کڑی نظر رکھنے کی بات کہی ہے۔ اس نے اسلامی صحافیوں کو پریس کارڈ اور ایک بین الاقوامی سپریم اسمبلی قائم کرنے پر زور دیا ہے جو اسلامی مطبوعات شائع کرے گا اور لاسلکی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اسلام اور عالم اسلام کی خبر رسانی کا اہتمام کرے گا اس کانفرنس نے مسلمانان عالم سے اپیل کی ہے کہ وہ متحد ہو کر جذبۂ اخوت کے ساتھ نوآبادیات، الحاد، صیہونیت اور فسطائیت کے مقابلہ کے لئے اپنی توانائیاں بروئے کار لائیں، اس اعلانیہ نے مسلمان صحافیوں کے لئے ضابطۂ کار متعین کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحافی غیر اسلامی خیالات اور رجحانات کو پھیلنے سے روکنے کے لئے کام کریں اور اسلامی ذرائع ابلاغ کے افراد تمام نشر ہونے والے یا شائع ہونے والے مواد کا سنسر کریں تاکہ دین کو ایسے اثرات سے محفوظ رکھا جائے جو اسلامی کردار و اقدار کے لئے نقصان دہ ہوں، اسلامی صحافی ہر قسم کی اشتعال انگیز، فحش اور اہانت آمیز مواد شائع کرنے سے اجتناب کریں اور ایسی تمام تحریروں کو روکیں جو بداخلاقی، جرائم، تشدد، خودکشی یا دہشت گردی کی ترغیب دیتی ہوں اور ان تمام پابندیوں کا اطلاق اشتہارات پر بھی کیا جائے، اور ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ اور فلسطین کی آزادی کی جدوجہد اور بالخصوص بیت المقدس کی آزادی کے لئے کام کریں اور اس میں عربی کے استعمال پر زور دیا گیا ہے کیوں کہ عربی قرآن پاک کی زبان ہے۔ اعلان میں یہ بات بھی کہی گئی ہے اسلامی ذرائع ابلاغ کو فروغ دینے کے لئے مکہ معظمہ میں ایک مستقل سکریٹریٹ قائم کیا جائے گا، سکریٹریٹ جنرل اسلامی ذرائع ابلاغ اور صحافیوں کے معاملات میں رابطہ قائم کرے گا اور کانفرنسوں اور اجلاسوں کا اہتمام کرے گا، رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان اسکے سربراہ ہوں گے اور پانچ ملکوں کے نائبین ان کی معاونت کریں گے، نیز ذرائع ابلاغ

ذرائع ابلاغ سے متعلق ہوگی اور اس کے ارکان اسلامی مفکرین اور دانشور ہونگے نیز اس اعلانیہ میں ایک غیر سرکاری ذرائع ابلاغ کے قیام کی تجویز بھی ہے جس کی مدد مسلمان اور اسلامی ممالک کریں گے اسلامی صحافیوں اور کارکنوں کے لئے بیروت میں اعلیٰ تعلیم کا انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے گا نیز اس کی کارگذاری کے لئے ایک فاؤنڈیشن قائم کیا جائے گا جو زیادہ سے زیادہ اسلامی

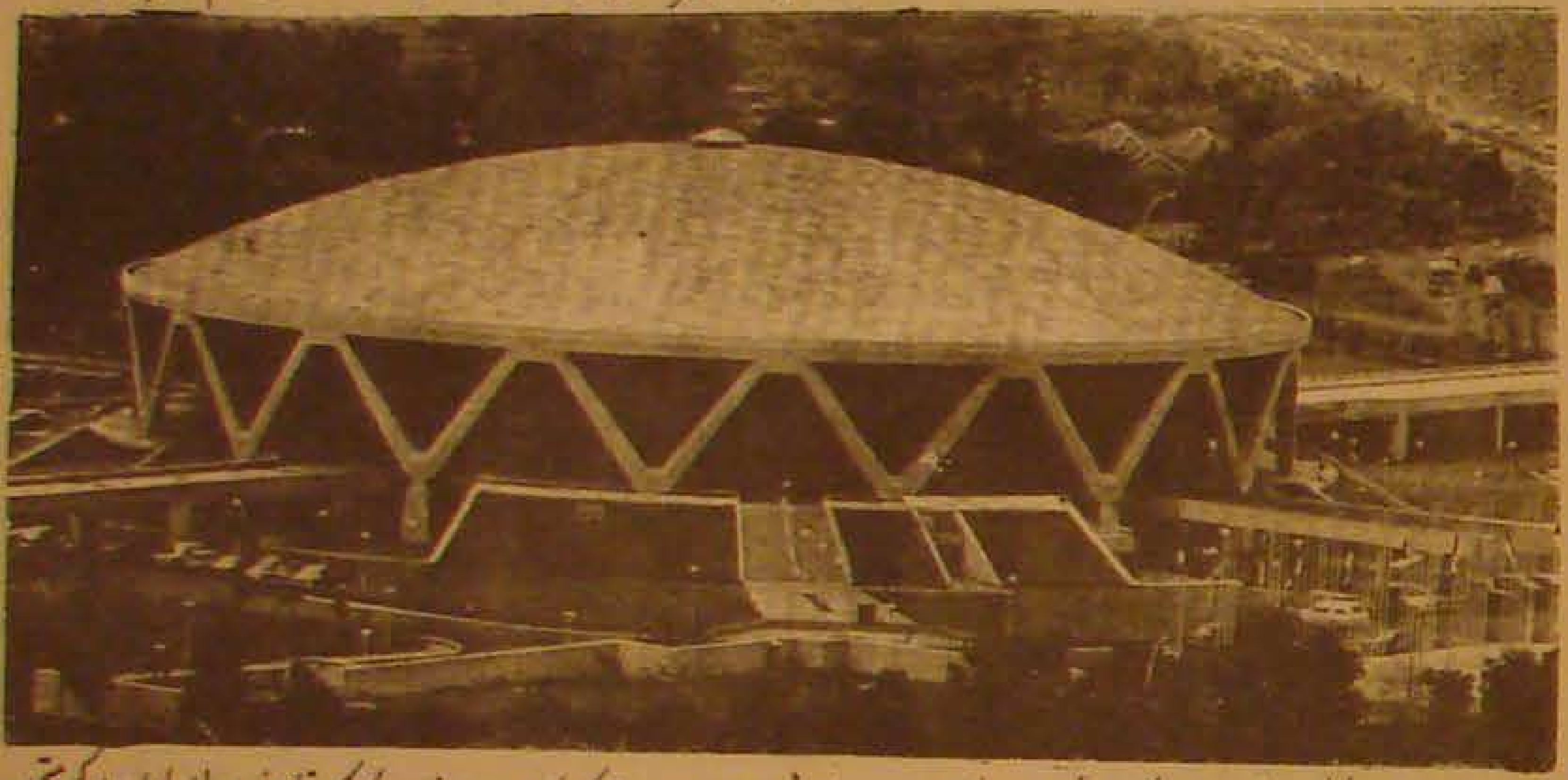

کی دوسری کانفرنس ۱۹۸۱ء میں ترکی کے دارالسلطنت انقرہ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے'۔

اس کانفرنس کا افتتاح انڈونیشیا کے صدر جنرل سہارتو نے کیا اور ۵۰ ملکوں اور تنظیم آزادی فلسطین کے ۲۰۰ سے زائد مندوبین شریک ہوئے۔ جنرل سوہارتو نے کانفرنس کے افتتاحی کلمات میں کہا کہ اطلاعات کی بین الاقوامی تشہیر میں عدم توازن کی وجہ سے دنیا میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور نا اتفاقی ہوتی ہے اور ایسی خبروں اور عالمی رائے عامہ کی ہیئات ہے جو ترقی یافتہ ملکوں کے مفادات سے پر ہوتی ہیں۔ صدر نے کہا عالمی خبروں کی تقسیم میں عدم توازن موجود ہے اور اس کے منجملہ اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ اقوام اور خود برادر مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیاں موجود ہیں انھوں نے بین الاقوامی اسلامی اطلاعاتی کانفرنس کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ صورت حال کے ازالے کے لئے یہ ایک انتہائی اہم کوشش ہے انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں ایقان پیدا ہونا چاہیے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے انھیں دنیا کو قائل کرنا چاہیے اور اس کے لئے ذرائع ابلاغ عامہ انتہائی موثر ثابت ہو سکتے ہیں انھوں نے مزید کہا کہ مسلمانوں کو جس چیز کی زیادہ ضرورت ہے وہ خود اپنے مستقبل کے بارے میں خود اعتمادی کی ہے کیونکہ آج دنیا بھر میں عظیم چیلنجوں کا سامنا ہے۔

اس کانفرنس میں رابطہ عالم کے سکریٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان نے اسلامی ذرائع ابلاغ کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلم ممالک کے خبر رساں اداروں کو نئے صحافتی اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی برادری کے مفاد میں کام کرنا چاہیے انھوں نے مزید کہا کہ تمام خبر رساں اداروں کو متحد ہو کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے شیخ الحرکان نے کہا کہ مسلم خبر رساں اداروں کے درمیان اتحاد کو مزید مستحکم ہونا چاہیے اور انھیں اپنے تجربات کا تبادلہ کرتے رہنا چاہیے انھوں نے کہا کہ اس طرح اسلامک نیوز ایجنسی کے کردار کو زیادہ موثر بنایا جا سکے گا، انھوں نے توقع ظاہر کی کہ کانفرنس مسلم ممالک میں ذرائع ابلاغ کی سرگرمیوں کی ترقی میں مدد و معاون ہو سکے گی۔

اس کانفرنس میں میزبان ملک کی طرف سے نمائندگی رو مہان اوزنے کی اور انھوں نے اپنی تقریر میں مسلم ممالک کو ایک نیوز پرنٹ انڈسٹری قائم کرنے کا مشورہ دیا اور عالم اسلام کے لئے ایک اخبار کی بھی تجویز پیش کی جو مختلف زبانوں کے علاوہ انڈونیشی زبان میں بھی شائع ہو اس لئے کہ انڈونیشیا میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے۔

شام کا نصیری حکمراں اور نصیری فرقہ

محمد سلمان ندوی

شام کا موجودہ حکمراں حافظ الاسد جس نے آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کے اصول پر کاربند ہو کر قتل و غارت گری مچا رکھی ہے اور اسلامی جماعتوں، تحریکوں، تنظیموں اور دینی اداروں کو اپنی بربریت کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ نصیری فرقہ کا ایک آدمی ہے باوجود اس کے کہ اس نے کمیونسٹ نظام کو اپنایا ہے، کمیونسٹ بعث پارٹی کا وہ روح رواں ہے اور الحاد و بے دینی کے پھیلانے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے، اس کے پیرو اسکو فرعون وقت قرار دیتے ہیں اور بے باکی و بیحیائی کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں:۔

خدا، مردہ باد،
اسد ہمارا رب ہے،
وطن کے علاوہ کوئی خدا نہیں،
بعث پارٹی کے علاوہ کوئی رسول نہیں،

یہ وہ عبارتیں ہیں جو حافظ الاسد کے پٹھوؤں نے حلب شہر کے بعض محلوں میں دیواروں پر لکھیں، دین کے ساتھ مذاق، عقائد کا استہزاء اور کھلی دہریت کے باوجود حافظ الاسد، نصیری فرقہ، جو کہ ایک گمراہ دینی فرقہ سمجھا جاتا ہے، کے سرپرست اور اس کی پشت پناہی کے ساتھ حکومت پر مسلط ہیں۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ اپنے کو مسلمان، مسلمانوں کے عقائد و شعائر کی حفاظت کرنے والا اور مسلمانوں کو ایک نیا بعثی اشتراکی نظام دینے والا مجدد گردانتے ہیں، ان حقائق کے باوجود بہت سے مسلمان جہالت و نادانی یا بعض سیاسی اور مادی اغراض کے ماتحت حافظ الاسد کو ایک مسلمان حکمراں سمجھتے ہیں۔

نصیری فرقہ کیونکہ شام میں اسوقت حکمرانی کر رہا ہے، فوج میں اکثر اسی کے آدمی ہیں، حکومت کے اہم ذمہ دار اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اس فرقہ کی مختصر سی تاریخ، اس کے عقائد اور اس کی اندرونی تنظیم کے متعلق ضروری معلومات ہر مسلمان کو ہونی چاہئیں، یہاں پر اس فرقہ کے عقائد اور اس کی تاریخ پر ہم مختصراً روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

اس فرقہ کی شاخ ابتداً شیعوں سے پھوٹی ہے۔ شیعوں میں ہمیشہ سے دو طبقے رہے ہیں ایک غالی شیعوں کا جن کو ان کے عقائد کی بنا پر کافر و مشرک قرار دیا گیا، اور دوسرا معتدل شیعوں کا جن کو گمراہ فرقوں میں شمار کیا جاتا ہے ——

نصیری فرقہ شیعوں کے اس غالی اور بددین طبقہ سے تعلق رکھتا ہے جن کے عقائد کفر و شرک کی آلودگیوں سے بہت زیادہ ملوث ہیں۔

نوبختی جو ایک قدیم شیعہ مصنف ہیں اپنی کتاب "فرق الشیعہ" میں ص ۷۸ پر لکھتے ہیں:۔

"امام علی بن محمد کی امامت کا عقیدہ رکھنے والوں میں سے ایک گروہ ان کی زندگی ہی میں ان سے الگ ہو گیا تھا اور اس نے محمد بن نصیر النمیری نامی ایک شخص کی نبوت کا دعویٰ کیا، وہ شخص یہ کہتا تھا کہ وہ نبی ہے اور ابوالحسن عسکری نے اس کو بھیجا ہے، وہ تناسخ ارواح کا بھی قائل تھا، اور ابوالحسن عسکری کے بارے میں اس کا غلو اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ وہ ان کی ربوبیت کا قائل تھا، وہ محرم عورتوں سے نکاح جائز قرار دیتا تھا اور موضع براز میں مرد کی مرد سے مجامعت کو بھی جائز کہتا تھا اس سلسلہ میں وہ کہتا تھا کہ یہ تواضع و انکساری کی علامت ہے، اس کا شمار "طیبات" میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام نہیں قرار دیا، اس شخص کی تائید کرنے والا ایک شخص محمد بن موسیٰ بن حسن بن فرات نامی تھا۔"

علامہ ابوالفتح شہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ) جنھوں نے اسلامی تاریخ میں پیدا ہونے والے مختلف فرقوں کی تاریخ اور عقائد پر اپنی اہم تصنیف "الملل والنحل" یادگار چھوڑی ہے، اپنی اسی کتاب میں نصیری اور اسحاقی دو فرقوں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"یہ لوگ غالی شیعوں میں سے ہیں، انکا ایک گروہ ہے جو ان کے مذہب کا حامل اور بانیان مذہب کی طرف سے دفاع کرتا ہے، ائمہ اہل بیت کو "الوہیت" سے متصف گردانے کے سلسلہ میں ان میں آپس میں کچھ اختلافات ہیں، ان کا کہنا ہے کہ روحانی ذات، جسمانی ذات کی شکل میں ظاہر ہو سکتی ہے، جیسے کہ حضرت جبرئیلؑ بعض انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوتے اور شیطان بعض انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی (نعوذ باللہ) مختلف اشخاص کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، اور کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ اور ان کے بعد انکی خصوصی اولاد سے کوئی بھی افضل نہیں ہوا، اور وہ اشرف الناس ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ انھیں کی شکل میں ظاہر ہوا، ان کی زبان سے بولا، اور ان کی دستگیری کی، اسی لئے ہم انھیں الوہیت کی صفت سے متصف سمجھتے ہیں، یہ خصوصیت حضرت علیؓ کے لئے اس بنا پر ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ کی خاص تائید حاصل ہے اور وہ رازوں کی گہرائیوں سے واقف ہیں۔ . . .

یہ لوگ کبھی حضرت علیؓ کو نبوت میں بھی شریک مانتے ہیں، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ علم تاویل، منافقوں سے جنگ، جنات سے گفتگو اور خیبر کے قلعہ کا دروازہ اکھاڑنے کا عمل، جسمانی قوت سے نہیں تھا، بلکہ ان کے یہ کارنامے اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کے اندر ذات الٰہی کا ایک جزو موجود ہے۔

. . . وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے پیدا کر دئے گئے تھے،

. . . وہ حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں:

"ہمارا اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تعلق ایسا ہے جیسے روشنی کا روشنی سے۔ یعنی دونوں روشنیوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ ایک پہلے وجود میں آئی ایک بعد میں۔ . . ."

چھٹی صدی ہجری میں ان کے یہ عقائد معروف تھے، علامہ شہرستانی نے ان کے عقائد اور خرافات کو بطور "مشتے نمونہ از خروارے" ہی بیان کیا ہے، ورنہ ان کی مضحکہ خیز گمراہیوں کا قصہ بہت طویل ہے، اسی وجہ سے آٹھویں صدی ہجری کے مجدد علامہ ابن تیمیہؒ نے جو ان فرقوں سے بہت گہری واقفیت رکھتے تھے اور جنھوں نے "منہاج السنۃ النبویۃ" کے نام سے شیعوں کے رد میں ایک عظیم کتاب چار جلدوں میں لکھی تھی۔ ان کے بارے میں بڑے تجربات کے بعد یہ فیصلہ دیا ہے:۔

"نصیری فرقہ کے لوگ شام پر تاتاریوں اور نصرانیوں کے قبضہ کا اصل سبب ہیں یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ دشمن کا ساتھ دیتے ہیں۔ انھیں کی وجہ سے بیت المقدس صلیبیوں کے ہاتھ میں چلا گیا، عالم اسلامی کو تاتاریوں نے جو تخت و تاراج کیا اسکے پیچھے بھی انھیں کا ہاتھ ہے، ان کی دلی خواہش و تمنا ہے کہ مسلمانوں کے قلعوں کو دشمن کے حوالہ کر دیں، فوج کو مسلمان حکام کے خلاف برگشتہ کریں اور بغاوت و سرکشی پر ان کو آمادہ کریں۔

یہ نصیری لوگ یہودیوں سے بڑھ کر کافر و بے دین بلکہ بہت سے مشرکوں کے مقابلہ میں بھی کفر و شرک میں ان سے دو ہاتھ آگے ہیں۔

امت محمدیہ کو ان سے پہونچنے والے نقصانات، ان نقصانات سے کہیں زیادہ ہیں جو وحشی تاتاریوں اور جنگ کے لئے برسر پیکار دشمن اسلام انگریزوں سے پہونچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں اور مجرموں کے کرتوتوں سے غافل نہیں!"

شام کے شہر "لاذقیہ" کے ایک فاضل مقالہ نگار نے مصر سے نکلنے والے مشہور اخبار "الاہرام" میں نصیری فرقہ کے متعلق ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا جو بہت ہی پراز معلومات اور معتبر ہے ذیل میں اس کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

"نصیری فرقہ "باطنیت"[1] کی ایک شاخ ہے، یہ اس نام سے اس لئے مشہور ہوا کہ اس کا نسب نامہ نصیر نمری سے ملتا ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایران کے کسی علاقہ سے آیا تھا، یہ فرقہ شام کے شمالی پہاڑوں میں رہتا ہے، یہ پہاڑ "جبال النصیریہ" کے نام سے مشہور ہیں، اور شہر "لاذقیہ" کے مشرقی جانب واقع ہیں، "صافینا" سے "انطاکیہ" کے حدود تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اس فرقہ کے کچھ لوگ صوبہ "ادنہ" کے شہروں اور دیہاتوں میں رہتے ہیں، ان کی ایک اچھی خاصی تعداد "ادنہ" "طرطوس" "مرسین" "اسکندرونہ" اور "انطاکیہ" میں رہتی ہے، جو لاذقیہ میں سواحل پر رہتے ہیں ان کو شمالی اور جو پہاڑوں پر رہتے ہیں ان کو "کلازیہ" کہتے ہیں۔

کلازیہ اور شمالی نصیریوں میں فرق یہ ہے کہ شمالی نصیری داڑھی بڑھاتے ہیں، اور اس کا منڈوانا ان کے نزدیک حرام ہے۔ اور کلازیہ سارے کے سارے بلا استثناء داڑھی منڈاتے ہیں۔

جہاں تک ان کے دین اور عقائد کا تعلق ہے، تو یہ پوشیدہ رازوں میں ایک راز ہے، جس کا افشا اپنے گروہ کے لوگوں کے علاوہ وہ کسی سے نہیں کرتے، حتیٰ کہ خود ان کے فرقہ کی عورتوں کو اس راز سے واقف نہیں کرایا جاتا کیوں کہ عورت ان کے نزدیک عقل و ارادہ کی کمزور ہے، وہ اس راز کی اہل نہیں، اس کے نتیجہ میں نصیری عورت کا کوئی دین نہیں ہوتا، مرد کے متعلق ان کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ جب لڑکا ۱۹ سال کا ہو جاتا ہے تو اس کو اس راز سے واقف کرایا جاتا ہے، دین کے اس راز کی تعلیم کے لئے ایک خاص جلسہ کیا جاتا ہے، یہ جلسہ ان کے بعض مشائخ اور پیروں پر مشتمل ہوتا، اس میں دو کفیل یا گواہ بھی حاضر ہوتے ہیں، جو یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ نوجوان اب راز کا امین بننے کا اہل ہو گیا، اور ضمانت دیتے ہیں کہ وہ یہ راز افشا نہیں کرے گا، اس کے بعد اس کو یہ راز بتایا جاتا ہے اور اس سے قسم لی جاتی ہے کہ وہ اس راز کو ہرگز افشا نہ کرے گا چاہے اس کا خون کر دیا جائے، دین کے ان رازوں کے آگاہ کرانے کے لئے جو طریقے انھوں نے اپنا رکھے ہیں وہ ماسونی تنظیموں کے طریقوں سے بہت مشابہ ہیں۔

یہ بات قابل تعجب ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ لوگ جاہل اور سیدھے سادے ہیں لیکن آج تک ہمیں یہ تجربہ نہیں ہوا کہ ان میں سے کسی نے اپنا راز کسی کو بتایا ہو حالانکہ ان رازوں کو حاصل کرنے کے لئے بہت سے لوگوں نے مختلف وسائل و ذرائع استعمال کرکے ہر ممکن کوشش کر ڈالی لیکن ادھر تقریباً ۵۰ سال ہوئے کہ ان کے کسی پیر کے ایک لڑکے نے جس کا نام سلیمان تھا صوبہ "ادنہ" میں امریکن مشنری کے لوگوں سے کہا کہ ہم یہ راز بتانے کے لئے تیار ہیں، لیکن یہاں رہتے ہوئے ہم یہ کام انجام نہیں دے سکتے اس مقصد سے وہ "لاذقیہ" آیا اور عیسائی ہو گیا اور وہاں اس نے ایک کتاب جو "الباکورۃ السلیمانیۃ" کے نام سے مشہور ہے، لکھی، امریکن مشنری کے لوگوں نے اس کو طبع کرایا اور شائع کیا۔

اس کتاب سے مندرجہ ذیل تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔

نصیری دراصل علوی ہیں، یہ حضرت علی کی الوہیت کے قائل ہیں، شمالی نصیری کا کہنا ہے کہ حضرت علی چاند میں حلول کئے ہوئے ہیں اور کلازیہ نصیری کہتے ہیں کہ انھوں نے سورج میں حلول کیا ہے، اسی بنیاد پر وہ چاند و سورج کو پوجتے ہیں، وہ تناسخ ارواح کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں، صالح روحیں ان کے نزدیک ستاروں میں جنم لیتی ہیں اور شریر روحیں ان جانوروں میں آجاتی ہیں جو نجس ہیں جیسے سور، بندر، گیدڑ وغیرہ۔

ان کے راز کا جو لفظ ہے وہ تین حروف سے مرکب ہے اور وہ یہ ہیں: ع، م، س۔ اس کا مطلب علی، محمد اور سلیمان ہے۔

ان کے عقائد بہت سے مذاہب اور عقائد کا ایک معجون مرکب ہیں، یہ لوگ اسلامی نام جیسے محمد، علی، مصطفیٰ، حسن وغیرہ رکھتے ہیں، لیکن عمر یا ابوبکر کسی کا نام نہیں رکھتے، یہ لوگ رمضان کے روزے نہیں رکھتے۔

ان کے تہواروں میں کئی تہوار وہ ہیں جو عیسائیوں کے ہاں منائے جاتے ہیں، عیسائیوں کے ان تہواروں کو ان کے ہاں جو مقبولیت حاصل ہے اس کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعض علاقوں میں کئی صدی پہلے عیسائیوں کے ساتھ بود و باش اختیار کئے ہوئے تھے۔

مذکورہ کتاب کے متعلق یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس کی طباعت اور اشاعت کے بعد "لاذقیہ" اور دوسرے شہروں میں اس کے بہت سے نسخے پہونچے اور عام ہو گئے لیکن اس کے بعد دھیرے دھیرے یہ کتاب نظروں سے اوجھل ہو گئی اور اب اس کا ایک نسخہ بھی ملنا مشکل ہے۔

سلیمان جو اس کتاب کا مؤلف ہے، "لاذقیہ" میں طویل مدت تک قیام کئے رہا، اس کے بعد اس کے دوست و اقارب نے خط و کتابت کے ذریعہ اسے وطن واپس آنے کی ترغیب دی اور اس سلسلہ میں ہر طرح کی مدارات اور محبت و تعلق کا اظہار کیا، یہاں تک کہ سلیمان کو اطمینان ہو گیا اور وہ وطن واپس آگیا۔ جب وہ وطن واپس آیا تو ان لوگوں نے اس کو زندہ جلا دیا۔

شام جب عثمانی سلطنت کے ماتحت تھا اس وقت اس فرقہ کے بعض لیڈروں نے بغاوت کی کئی بار کوشش کی، لیکن ان کوششوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ لوگ اپنی بود و باش کے انداز اور جائے سکونت کے تہذیبی و علمی مراکز سے دور ہونے کی وجہ سے عام طور پر جاہل، بدو صفت اور درشت مزاج تھے، امریکن مشنری کے آدمی ان کو شہر لائے، ان کے لئے اسکول کھولے اور ان کی تعلیم کا بندوبست کیا، لیکن یہ اپنے اس ماحول کی وجہ سے جس میں انھوں نے پرورش پائی تھی ان اسکولوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے، یہ لوگ وقتاً فوقتاً سرکشی پر آمادہ ہو جاتے تھے اور شہروں میں گھس کر لوٹ مار کرتے تھے، حکومت ان کی تادیب کرتی تھی، اور ان کی طاقت کو تتر بتر کر دیتی تھی،

جب ضیا بک "لاذقیہ" کے گورنر بنے جو سلطان عبدالحمید کے خاص آدمی تھے تو انھوں نے حالات کا گہرا جائزہ لیا اور یہ محسوس کر لیا کہ باہر کی بعض طاقتیں نصیری فرقہ کے جذبات سے کھیل رہی ہیں اور امریکن مشنری کے یہ اسکول ملکی سیاست کے لئے بہت مضرت رساں ہیں، اس لئے ان اسکولوں کو بند کر کے سرکاری اسکولوں کو ہی اس کا قائم مقام بنانا چاہئے اور یہ بھی ضروری ہے کہ نصیریوں کو اسلام میں داخل کیا جائے، بہر حال ضیا بک اپنے اس پلان کی تکمیل کے لئے سعی کرنے لگے غالباً وہ اسی طرح سلطان عبدالحمید کی نظر میں اچھا بننا چاہتے تھے، اور اس کے ذریعہ تقرب و شہرت حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس عظیم کام کے لئے انھوں نے بالکل رسمی اور سرکاری طریقہ پر نصیری فرقہ کے اکثر مشائخ اور رؤسا کو بلایا اور ان کو نصیری فرقہ کا نمائندہ گردانتے ہوئے ان کے سامنے یہ محضر لکھوایا کہ نصیری فرقہ کے تمام گروپ بطیب خاطر اور برضا و رغبت اسلام میں داخل ہو گئے اور اسی وجہ سے انھوں نے اپنے نمائندے حکومت کے پاس بھیجے ہیں تاکہ وہ اقرار کر کے سرکاری طور پر نصیریوں کے اسلام کا اعلان کر دیں، ان رؤسا اور مشائخ نے دستخط کی اور چلے گئے اس کے بعد امریکن مشنری کے اسکول بند کرا دئے گئے، اور پہاڑوں کے سواحل میں حکومت نے تقریباً چالیس اسکول نصیری فرقہ کے بچوں کو سرکاری تعلیم دلانے کے لئے قائم کئے، لیکن ضیا بک کے انتقال کے بعد یہ اسکول بھیڑ و بکریوں کی پناہ بن گئے اور نصیری اپنے دین پر قائم رہے، وہ دین اسلام سے اسی طرح بیگانہ رہے جیسے کہ پہلے تھے۔

خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد شام

(بقیہ صفحہ ۲۹ پر)

لہ "باطنیت" غالی شیعوں کا نیم سیاسی و نیم دینی ایک مذہب ہے جس کی بنیاد خفیہ تحریک ہے۔ "باطنیت" نے مسلمانوں کو دینی، ملی اور سیاسی طور پر نقصان پہونچانے کے لئے خفیہ سازشوں کا جال بچھا دیا تھا۔ انھوں نے خفیہ طور پر قرآن پاک میں تحریف کرنے اور اسلامی عقائد کو شرک کے رنگ دینے کی بھرپور کوشش کی جس کے نتیجہ میں بہت سے فرقے وجود میں آگئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۱ مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کہ ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف للقرن العشرین مؤلفہ فرید وجدی لفظ "نصیریہ"

افغان مجاہدین کو کچلنے کے لئے روسی جنرلوں کا نیا فوجی منصوبہ

محمود حکیم

افغانستان میں روسی افواج کی پیہم ناکامی نے صرف اس کو افغانستان ہی میں نہیں کمزور کیا ہے بلکہ اس کے خلاف پولینڈ، مشرقی جرمنی اور خود اس کے مقبوضہ ریاستوں میں جدوجہد کا آغاز ہو چکا ہے اور پولینڈ میں کمیونسٹ نظام کو اس وقت شکست تسلیم کرنی پڑی جب اسے مزدوروں کو ٹریڈ یونینوں کے قیام اور ہڑتال کا حق دینا پڑا تاکہ ملک میں دو ماہ سے چلی آ رہی صنعتی بے چینی کو دور کیا جا سکے، روس افغانستان میں مجاہدین کے صبر و ثبات اور جاں نثاری اور جانفشانی کے جذبہ کو توڑنے میں بھی ناکام رہا ہے کیونکہ وہ عقیدہ کی جنگ لڑ رہے ہیں اور جدید اسلحہ سے لیس روسی افواج کا مقابلہ کر رہے ہیں جو اس خیال سے آئے تھے کہ بس چند دن کا معاملہ ہے۔ روسیوں نے شدید مزاحمت کو کم کرنے اور مجاہدین کا زور توڑنے کے لئے روسی جنرلوں کا نیا فوجی منصوبہ بنایا ہے۔ اس کو روس کے اعلیٰ اصلاح کاروں اور فوجی ماہرین نے بنایا ہے جس کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے لڑایا جائے اس منصوبہ کو آخری شکل دینے کے لئے گذشتہ ماہ روسی افواج کے اعلیٰ افسران کا ایک وفد کابل پہونچا تھا اور کارمل حکومت کی انتظامیہ سے صلاح و مشورہ کے بعد طے پایا کہ پورے ملک کو سات فوجی علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے باخبر ذرائع کے مطابق ایک نئی رضاکار فوج بھرتی کی گئی ہے جس کے جوانوں کو سات ہزار افغانی (۱۷۵ ڈالر) ماہوار دئے جائیں گے جو ایک عام سپاہی کی تنخواہ سے دس گنا زائد ہے سات فوجی علاقوں میں سے ہر علاقہ کا سربراہ عوامی جمہوری پارٹی کی مرکزی کمیٹی یا پریذیڈیم کا رکن ہوگا اور ہر ایک کی مدد کے لئے ایک روسی فوج اور ایک ہزار کمانڈوز کا دستہ ہوگا عام فوج اور پولیس اس کے علاوہ ہے نئے منصوبہ کے لئے بڑے پیمانہ پر وسائل فراہم کئے گئے ہیں۔

باخبر ذرائع کے مطابق روسی حملہ آور اور ان کے پٹھو کارمل انتظامیہ ایک قبیلہ کے لوگوں کو دوسرے قبیلہ کے خلاف استعمال کر رہی ہے اور اس منصوبہ کے تحت یکتیاکے قبائلیوں کے رضاکاروں کا ایک دستہ صوبہ سیروان اور بدخشاں بھیجا گیا ہے تاکہ شمال اور شمال مشرقی افغانستان کے حریت پسندوں کے اندر گھس کر تباہی پھیلائی جا سکے، ملک کی نئی فوجی تقسیم میں کابل کے علاقے کو وزیر مواصلات محمد اسلم وطن یار کی نگرانی میں دیا گیا ہے نئی رضاکار ملیشیا باقاعدہ وردی استعمال کرتی ہے اور جدید ہتھیاروں سے لیس ہے یہ گوریلے تقریباً ایک ماہ سے سرگرم عمل ہیں اور ان کا زیادہ تر کام لوگوں کو دہشت زدہ کرنا ہے بتایا جاتا ہے کہ حریت پسندوں کو ہلاک کرنے کا کام کرایہ کے گوریلوں کے سپرد کیا گیا ہے مگر یہ بے گناہ عوام کو ہلاک کر رہے ہیں ایک افغانی سیاست داں محمد لقمان نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ کابل انتظامیہ کے جاسوس مجاہدین کو آپس میں لڑانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف یہ افواہ پھیلا رہے ہیں کہ دوسرا گروپ مسلمان نہیں سوشلسٹ ہے اس طرح استعماری طاقتیں پھوٹ ڈالنے کی روایتی حکمت عملی سے کام لے رہی ہیں۔

اخوان کا صفایا کرنے کے لئے شام اور یاسر عرفات کے مابین خفیہ سمجھوتہ۔

اخوان کو ختم کرنے کے لئے شام کے صدر حافظ الاسد اور تنظیم آزادی فلسطین کے لیڈر یاسر عرفات کے درمیان ایک خفیہ سمجھوتہ طے پایا ہے اسی سمجھوتہ کے تحت اخوان کے ایک شامی رہنما عبدالوہاب البکری کو اردن میں قتل کر دیا گیا اس سے تین دن قبل شامی فوج اور الفتح کے چھاپہ ماروں کے ایک مشترکہ دستے نے سرحد پار کر کے اردن میں اخوان کے مرکز پر حملہ کیا تھا اور حملہ آور ۲۷ اخوانیوں کو پکڑ لے گئے تھے یاد رہے کہ لبنان کی خانہ جنگی کے اوائل میں شامی فوج اور الفتح کے درمیان سخت دشمنی پائی جاتی تھی لیکن گذشتہ جون کے آخر میں یاسر عرفات اور شامی ملٹری انٹلی جنس کے افسر اعلیٰ کرنل علی دبا کے درمیان خفیہ مذاکرے ہوئے تھے جن میں یہ طے پایا تھا کہ حکومت الفتح کے اندر اقتدار کی حالیہ رسی کشی میں یاسر عرفات کی مدد کرے گی اور اس کے عوض یاسر عرفات اردن میں اسد حکومت کے مخالفین کا صفایا کرنے میں شامی حکام کا ہاتھ بٹائیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

بمبئی میں نفیس اور عمدہ چائے کے تھوک و خردہ فروش

عبّاس علاء الدّین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

44, Haji Building, S. V. Patel Road,
Null Bazar, BOMBAY, 3.
Tele : Add. CUPKETTLE
Phone : 332220.

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاوری، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

۴۴ - حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

سید شہاب الدین (ایم پی)

مراد آباد کا المیہ اور اس کے بعد

مراد آباد کے المیہ کے سلسلے میں جان بوجھ کر ایک منظم منصوبہ کے تحت شروع کی گئی مہم کے ذریعہ جسے غالباً سرکاری حمایت اور تائید بھی حاصل ہے رائے عامہ کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ پولیس کو فائرنگ کیلئے مشتعل کرنے میں پہل کی اور اب خود ہی اپنے نقصانات کا رونا رو رہے ہیں بلکہ وہاں جو بھی واردات ہوئیں وہ ایک ایسی گہری سازش کا نتیجہ تھیں جس میں غیر ملکی سرمایہ، غیر ملکی اسلحہ اور غیر ملکی انٹلی جنس نے اہم رول ادا کیا۔ ذمہ دار سیاسی لیڈر (جن میں کچھ وزراء بھی شامل ہیں) اور صحافی اس خفیہ ہاتھ کی نشاندہی کرنے اور مراد آباد کے ساتھ بیک وقت دوسرے شہروں میں ہونے والے ہنگاموں میں یکسانیت اور سازش ثابت کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہر فرقہ میں کچھ سماج دشمن عناصر ہوتے ہیں اور جب امن و امان کے رکھوالوں اور کمزوروں کے محافظوں پر عوام کا اعتماد اٹھ جاتا ہے جب عوام کا انتظامیہ پر بھروسہ نہیں رہ جاتا، جب لا اینڈ آرڈر کی مشینری درہم برہم ہو جاتی ہے اور جنگل کا راج شروع ہو جاتا ہے تو ایسی حالت میں ہر فرقہ کے لوگ یہ سوچ کر ان سماج دشمن عناصر کی سرپرستی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کسی آڑے وقت میں صرف وہی ان کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اس طرح کے عناصر، خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، اس طرح کے حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور حالات کو مزید بگاڑ دیتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے درمیان کچھ غیر ملکی ایجنٹ موجود ہوں اور اس تاک میں گھومتے ہوں کہ ہمارے قومی اتحاد میں کہیں کوئی شگاف پیدا ہو تو وہ اس کو اور بڑھانے کی کوشش کریں ہر فرقے میں کچھ ایسے خبطی اور شر پسند عناصر بھی ہو سکتے ہیں جنہیں تشدد اور دوسروں کی پریشانی اور بے چینی سے خوشی محسوس ہوتی ہو۔ کچھ ایسے سیاست داں بھی ہوتے ہیں جو تشدد اور فرقہ پرستی کے ماحول سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کے غلط نظریہ کے ذریعہ کسی فرقے کے خلاف منفی ماحول پیدا کرنا ایک درست فعل ہے؟

خطرناک نظریہ

جہاں تک مراد آباد کا تعلق ہے عیدگاہ میں پر امن نمازیوں پر پی اے سی کی جانب سے کئے گئے وحشیانہ اور قطعی غیر مناسب حملے کے فوراً بعد ہی یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا کہ عیدگاہ کے اندر سے پولیس فورس پر فائر کیا گیا۔ اس پروپیگنڈہ کا مقصد واضح ہے کہ اس سے پولیس کا بچاؤ کرنا ہے جس نے عیدگاہ کے دروازے پر مورچہ قائم کر کے نہتے عوام پر فائرنگ کی شروع میں کہا گیا تھا کہ پولیس فورس پر ایک بار گولی چلائی گئی لیکن جلد ہی یہ تعداد بڑھ کر ایک سے بڑھ کر کئی ہو گئی۔ فائرنگ کے ساتھ ظاہر ہے کہ یہ تصور بھی شامل تھا کہ نمازیوں کے پاس آتشیں اسلحہ موجود تھے۔ یہ آتشیں اسلحہ جلد ہی مہلک ہتھیار بن گئے اور بتایا گیا کہ وہ مہلک نوعیت کے تھے۔ اس کے بعد یہ نظریہ قائم کر لیا گیا کہ مسلح ہو کر عیدگاہ میں گئے تھے اس کے بعد یہ سوال اٹھا کہ انہیں ہتھیار کہاں سے ملے؟ اس کا جواب بھی موجود تھا کہ مسلمان جب حج کرنے جاتے ہیں تو وہاں سے ہتھیار لے کر آتے ہیں اور عربوں کے سرمایہ سے ہتھیاروں کی خریداری کی جاتی ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آخر مسلمانوں نے سیکورٹی فورس کے ساتھ نابرابری کی یہ جنگ کیوں کی جب کہ انہیں معلوم تھا کہ نقصان انہیں کو اٹھانا پڑے گا؟ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ مسلمان خونخوار ہوتے ہیں، تشدد ان کے خون میں شامل ہے، وہ جنونی ہیں اور پاکستان کی مدد کرنے اور اسلام کو فروغ دینے کیلئے وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ اپنی جان بھی قربان کر سکتے ہیں۔ اور جب پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان اور اسلام نواز عناصر کی ان حرکتوں کا مقصد کیا ہوتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ ان کا مقصد ہندوستان کو کمزور کرنا، افغانستان کے سلسلے میں حکومت ہند کو اپنی پالیسی تبدیل کرنے پر مجبور کرنا اور ہندوستان کے تسلط سے کشمیر کو آزاد کرانا ہے۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آسام کے مسئلے کے سلسلے میں ہونے والی بات چیت کے متوقع نتائج سے مسلمان پریشان ہیں اور اس کو ناکام کر دینا چاہتے ہیں، مسلمان چاہتے ہیں کہ غیر ملکیوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہے تاکہ ایک روز آسام میں مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے اور بنگلہ دیش کا ایک حصہ بن جائے۔ گہری سازش، اور غیر ملکی ہاتھ کے نظریہ کے پیچھے یہی ذہنیت کارفرما ہے۔ اس نظریہ کے مطابق آزادی کے ۳۳ سال گذر جانے کے باوجود مسلمانوں کو ہندوستان سے کوئی محبت نہیں اور وہ قطعی ناقابل اعتبار ہیں وہ ملک کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں۔ وہ ایسے غیر ملکی ایجنٹ و غدار ہیں کہ ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی ہمدردی فضول ہے۔

اب ہمیں تجزیہ کرنا چاہئے کہ اس طرح کے غلط نظریے کا عوام کے ذہن پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اس طرح کے پرچار سے غیر مسلموں میں خوف و ہراس کا پیدا ہونا فطری ہے خاص طور سے اس سے شمالی ہند کافی متاثر ہوتا ہے۔ جہاں تاریخی یادداشتیں آج بھی زندہ ہیں یا جان بوجھ کر انہیں زندہ رکھا جاتا ہے اس خطے کے ہندو ابھی تک اس بات کو نہیں بھولے ہیں کہ سات سو سال تک مسلمان حکمراں رہے اور مسلمانوں نے بھی یہ بات ابھی تک یاد رکھی ہے کہ کبھی انہیں ہندوؤں پر تسلط اور غلبہ حاصل تھا۔ اس تصور نے اگر ایک طرف اگر ہندوؤں کو خوف زدہ کر رکھا ہے تو دوسری طرف مسلمان خود اپنے ہی خول کے اندر سمٹ کر بیٹھ گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں کے درمیان دوری بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ کیا ہمارے سیاست داں ہمارے سہل پسند دانشور اور صحافی یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ سنسنی اور غیر مصدقہ رپورٹوں کی بنیاد پر اس طرح کا جو غیر ذمہ دارانہ نظریہ قائم کرتے ہیں اس کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟ کیا وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ تشدد ایک برائی ہے اور کسی کے خلاف خواہ وہ مسلمان ہو یا ہریجن، تشدد کو قبول کرنے کا مطلب اس کو احترام بخشنا ہے اور ایک دن ہر کسی کو اس کی بھاری قیمت چکانا ہوگی۔

حقائق سے انحراف

مراد آباد کے سلسلے میں حقائق کیا ہیں؟ اب کوئی ثبوت موجود نہیں کہ عیدگاہ کے اندر سے پولیس پر گولی چلائی گئی یا وہاں سے ہتھیار برآمد کئے گئے۔ موسم گرما میں عام طور سے لوگ کرتا اور پاجامہ پہن کر عید مناتے ہیں اور وہ اتنے باریک کپڑے کے ہوتے ہیں جن میں آتشیں اسلحہ چھپانا ممکن نہیں، عیدگاہ میں موجود لوگوں کا تقریباً نصف حصہ بچوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر شرپسند عناصر پولیس پر حملہ کرنے کی غرض سے آتشیں اسلحہ سے مسلح ہو کر عیدگاہ میں داخل ہوئے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ پھر انہوں نے فرار کیوں کیا؟ دراصل یہ من گھڑت کہانی ہے۔ اسی طرح کی بہت سی من گھڑت کہانیاں کہی جا رہی ہیں جیسے پی اے سی کے عملہ کا قتل، لاریوں سے لاریوں میں بھر بھر کر لوگوں کی آمد، چھتوں پر سے مسلسل فائرنگ، برقع اوڑھ کر مسلمان مردوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ ہتھیار لے جانا آٹومیٹک ہتھیاروں اور وائرلیس سیٹ کا برآمد ہونا وغیرہ۔ مراد آباد میں جب یہ معلوم ہوا کہ لائسنس والے ہتھیاروں کا ایک بڑا حصہ غیر ملکی ساخت کا ہے تو اسے ایک نیا رنگ دینے کی کوشش کی گئی۔ وزیر داخلہ نے بیان دیا کہ جو ناجائز ہتھیار برآمد کئے گئے ہیں ان پر اگرچہ ان کی ساخت کا کوئی نشان موجود نہیں لیکن واقف حلقے ہیں کہ اندازہ یہی ہے کہ وہ غیر ملکی ہیں اس کے بعد اب ہتھیاروں کے مہلک ہونے پر خصوصی طور سے زور دیا جانے لگا۔ یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ ملک میں دیسی اور بدیسی ہتھیاروں کا ناجائز دھندہ کھلے عام ہو رہا ہے اور خریداروں میں صرف مسلمان ہی شامل نہیں ہیں اور پھر ضبط شدہ غیر قانونی ہتھیاروں کی تعداد کتنی ہے؟ انڈین ایکسپریس (مورخہ ۱۳ اگست) کی رپورٹ کے مطابق غیر قانونی ہتھیاروں کا جو ذخیرہ برآمد کیا گیا اس میں تین دونالی بندوقیں تین ایک نالی والی بندوقیں تین ریوالور، ۲۰۰ کارتوس، کافی دستی بم اور تیز دھار کے ہتھیار شامل ہیں۔ اگرچہ یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ ناجائز ہتھیار کہاں سے برآمد کئے گئے۔ لیکن تاثر یہ پیدا کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے گھروں اور شاید مسجدوں میں ہتھیاروں کا ذخیرہ کر رکھا ہے۔

غیر ملکی ہاتھ - من گھڑت کہانی

اب آیئے غیر ملکی ہاتھ، اور غیر ملکی سرمایہ کی طرف۔ ملک میں جب بھی کچھ غلط کام یا ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے اور ہم اس پر قابو پانے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو کوئی جواز اور فرار کی راہ تلاش

کرلی جاتی ہے۔ یعنی سرینگر کی واردات کے پیچھے ضرور پاکستانی ایجنٹوں کا ہاتھ ہے۔ آسام میں غیر ملکیوں کے خلاف تحریک میں سی آئی اے ملوث ہے۔ جب کبھی کہیں شورش برپا ہوتی ہے تو اس کے پیچھے چین ضرور ہوتا ہے جب مزدور اپنے حقوق کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ کوئی غیر ملکی طاقت ضرور انہیں بھڑکا رہی ہے جب فسادات ہوتے ہیں اور مسلمان احتجاج کرتے ہیں تو ان کے پیچھے عرب ممالک کا سرمایہ اور پاکستانی ایجنٹ ضرور ہوتے ہیں۔ اس سے قبل جب ہماری قوم پرستی ملک کا بٹوارہ روکنے میں ناکام رہی تو ہم نے اس کے لئے انگریزوں کو ذمہ دار قرار دیدیا۔ عالمی امور کا ایک طالب علم ہونے کے ناطے میں محسوس کرتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ غیر ملکی طاقتوں کو ہندوستان کے حالات سے دلچسپی ہو اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کچھ کا جھکاؤ ادھر یا ادھر ہو لیکن ہندوستان کی بربادی کسی کا مقصد نہیں ہوسکتا۔ اگر ہندوستان میں منافرت اور لاقانونیت پھیل جائے تو اس سے پاکستان یا بنگلہ دیش کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ اگر ہندوستان کمزور ہوجائے تو عرب ممالک کو کیا ملے گا؟ کچھ تعلیمی اور فلاحی اداروں سے عربوں کی دلچسپی میری سمجھ میں ضرور آتی ہے لیکن وہ ہندوستانی مسلمانوں کو حکومت ہند کے خلاف بھڑکانے کی کوشش آخر کیوں کریں گے۔ دراصل ہمارے اندر خود پارسائی کا جذبہ خطرناک حد تک پیدا ہوگیا ہے۔ اس کی وجہ سے ایک طرف تو ہمارے اندر خوف کی نفسیات اس قدر پیدا ہوگئی ہے کہ ہمیں ہر طرف غیر ملکی ایجنٹ نظر آنے لگے ہیں، دوسری طرف اس رجحان کی وجہ سے ہم اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۹ نصیری فرقہ

فرانس کے سامراج میں چلا گیا، ان دشمنان اسلام نے اختلافات کو زیادہ ہوا دے کر اور اس فرقہ کے افراد کے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کر کے ان کو مضبوط کردیا۔ ۱۹۲۰ء میں دمشق کانفرنس میں جب شام کے باشندوں نے شام کی آزادی کا مطالبہ کیا، جس کے حدود شمال میں "طوروس پہاڑ"، سے جنوب میں سینا، تک پھیلے ہوئے تھے، تو فرانسیسی سامراجیوں نے اس کا جواب بڑی وحشیت اور درندگی کے ساتھ دیا اور دمشق کی آبادیوں کو کھنڈر میں تبدیل کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا، اور بڑی بربادی مچائی لیکن مقابلہ کی شدت اور مطالبہ کی قوت سے مجبور ہو کر تفریق و رخنہ اندازی کی سیاست چلنا شروع کردی اور ملک شام کو چار حصوں میں تقسیم کردیا۔

۱۔ سوریہ جس کا پایہ تخت دمشق ہے،

۲۔ شمال میں علویین کا علاقہ جس کا مرکز اسکندرونہ۔

۳۔ لبنان جس کا پایہ تخت بیروت،

۴۔ دروز کا علاقہ جس کا مرکز "حوران" ہے"[1]

اس سیاست نے اگر ایک طرف ملک کو بانٹ دیا تو دوسری طرف مسلمانوں کی طاقت بالکل ختم کردی، نصیریوں کو خاص طور پر مواقع فراہم کئے کیونکہ ان کو آلۂ کار بنا کر ملک کو الحاد و بے دینی کی رو میں آسانی سے بہایا جاسکتا تھا، انھیں بے دین نصیریوں میں سے شام کی بعث کمیونسٹ پارٹی وجود میں آئی جو شام کے لئے ایک عذاب اور لعنت بن کر مسلط ہوگئی اور اب حکمرانی کے نشہ میں بدمست ہو کر ہر اس شخص کو کچل دینے اور مفلوج کردینے کی کوشش کررہی ہے جو اسلامی عقائد کا حامل ہے، اسلام کا نام لیتا ہے اور اسلامی قانون کا نفاذ چاہتا ہے۔

[1] ملاحظہ ہو سیاسۃ الشرق الاوسط

بقیہ صفحہ ۱۱ مسلمان ....

وہ اپنے ایمان و ترقی کے راستہ سے بھی واقف ہو، ہمیں ایسی نسل کی ضرورت ہے جو اسلام ہی کی فکر میں جی رہی ہو، اسلام ہی کی خاطر اور اسی کے ساتھ زندگی گذار رہی ہو، یہی نسل دشمنوں کے سارے اندازوں اور امنگوں پر پانی پھیر سکتی ہے اور ان حملوں کو ناکام بنا سکتی ہے۔

اس قوم کی تاریخ روح و نشاط کے جذبات سے لکھی گئی ہے۔

اے خدا! تو ہمیں وہ بنادے جو ہمارے لئے بہتر ہو، اور ہمارا حاکم اس کو بنا جو تیرے دین کی حفاظت کی اہلیت رکھتا ہو، اپنی قوم و ملت کا وفادار ہو، تو ہر بات پر قادر ہے۔

"پیغام منبر و محراب"

اردو کتب، اخبارات و رسائل خریدنے کے لئے کتب خانوں کو مالی امداد

اتر پردیش اردو اکاڈمی کو ۱۵ اکتوبر ...ء تک درخواستیں مطلوب ہے

لکھنؤ۔ اتر پردیش اردو اکاڈمی کو اتر پردیش کے ان رجسٹرڈ عوامی کتب خانوں/ دار المطالعوں سے جنھیں قائم ہوئے کم سے کم دو سال کا عرصہ ہوچکا ہے نیز ان ڈگری کالجوں سے جنھوں نے تعلیمی سال رواں (۸۱-۱۹۸۰ء) میں پہلی مرتبہ ڈگری سطح پر اردو کے سکشن کھولے ہیں۔ اردو کتابیں، اخبارات اور رسائل خریدنے کے لئے مالی امداد دینے کی غرض سے اکاڈمی کے مقررہ فارم پر درخواستیں مطلوب ہیں۔ یہ فارم دفتر یو۔پی اردو اکاڈمی آر۔کے ٹنڈن روڈ، قیصر باغ لکھنؤ سے بلا قیمت حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اکاڈمی میں درخواستیں موصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۵ اکتوبر ...ء ہے۔ اس کے بعد کوئی درخواست قبول نہ کی جائے گی۔

بقیہ صفحہ ۲۲

ادھر شامی حکام نے اندرون ملک اخوان المسلمون کی تنظیم کو ختم کرنے کا عہد کیا اور ان کے لئے سزائے موت رکھی ہے اور ان کے خلاف مقدمات کی سماعت فوجی عدالتیں کریں گی۔ حکومت نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو فوجی یا شہری اس تنظیم کے کسی رکن کو ہلاک کردے گا اسے خاطر خواہ انعام دیا جائے گا اور جب کسی شخص کو تنظیم کے ارکان قتل کردیں گے اسے شہید انقلاب قرار دیا جائے گا اور اس کے خاندان کو خاصی بڑی رقم معاوضے میں دی جائے گی اور مملکت اس کے بچوں کے مستقبل کی ضمانت لے گی۔

مجلس کی تازہ پیش کش

پندرھویں صدی ہجری کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

کا ایک عظیم تحفہ، ایک حیات آفریں پیغام؛

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم

یعنی

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی (۹۷۱ - ۱۰۳۴ھ) کی مفصل سوانح حیات، ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی و انقلابی کارنامہ کی اصل نوعیت کا بیان، ان کا اور ان کے سلسلہ مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر گہرا اثر اور ان کی اصلاحی و تربیتی خدمات۔ اس نصف صدی ہجری کے اہم اور مفید ترین کتابوں میں یہ کتاب شمار ہونے کے قابل ہے۔

معیاری کتابت، آفسیٹ طباعت، مجلد قیمت اردو ایڈیشن علاوہ محصول ڈاک تیئس روپے 23/-

قیمت کتاب پیشگی بھیجنے والوں کو ڈاک خرچ کی رعایت کے ساتھ کتاب رجسٹرڈ بھیجی جائے گی۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹، ندوہ، لکھنؤ

المعهد العالي للدعوة والفكر الإسلامي

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

گذشتہ سال سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں معہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کے درجات بھی شروع کئے گئے اور فارغ التحصیل طلبہ کو داخلہ صلاحیت علمی کی جانچ کے بعد دیا گیا۔ سال گذرنے پر یہ طلبہ امتحان میں کامیابی حاصل کر کے اب دوسرے سال میں آگئے ہیں۔ اس پورے سال میں تدریسی اوقات کے علاوہ عالم اسلام کے ممتاز مفکرین اور دانشوروں نے دار العلوم کی دعوت پر اپنے محاضرات دئے اور طلبہ نے اس سے استفادہ کیا اور اس میں سے بعض محاضرات "البعث الاسلامی" اور "الرائد" میں شائع بھی ہوگئے ہیں۔ سب سے پہلے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اسلوب الدعوۃ فی القرآن کے موضوع پر اپنے وقیع اور قیمتی محاضرات دئے جو معہد العالی ہی کی طرف سے کتاب کی صورت میں برائے افادہ عام شائع کئے جارہے ہیں۔

اس کے بعد عالم اسلام کے مشہور عالم اور مفکر اخوانی لیڈر ڈاکٹر یوسف القرضاوی آئے اور دعوت فکر اسلامی کے موضوع پر ۶ مارچ سے محاضرات دینے شروع کئے، محاضرات مختلف موضوعات پر تھے، فقہ السیرۃ، الغزو الفکری، الاقتصاد الاسلامی، الانتاج والاستہلاک، الصحوۃ الاسلامیہ وابعادہا وآثارہا، حیرۃ الشباب المسلم وعلاجہا، الفقہ الاسلامی وتجدیدہ، راس التربیۃ الاسلامیۃ اہم عناوین ہیں۔ ان میں سے بعض افادہ عام کی غرض سے البعث الاسلامی میں شائع بھی ہوگئے اور سال کے آخر میں مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبداللہ الزائد نے قواعد الدعوۃ کے عنوان پر ایک وقیع محاضرہ دیا جو عربی پندرہ روزہ الرائد میں شائع ہوا۔ ذیل میں المعہد العالی کے مقاصد، ضرورت و اہمیت اور تخیل و نظام پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کا یہ وقیع مضمون بطور تعارف پیش ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے قیام کا حقیقی مقصد

ندوۃ العلماء کی ابتدائی روئدادوں، اس کے عالی مرتبت بانی اور اس کے روشن ضمیر رفقاء کے اصلی خیالات اور عزائم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد دار العلوم ندوۃ العلماء کے قیام سے محض ایک متوسط درجہ کے عربی مدرسہ کا اجراء نہ تھا جس میں قدرے ترمیم و تغیر کے ساتھ علوم آلیہ اور دینیات و ادبیات عربی کی تعلیم ہو، اور عربی کے ایسے فضلاء تیار کئے جائیں جو عربی مدارس کے دوسرے فضلاء کے مقابلہ میں جدید ضروریات اور زمانہ کے تقاضوں سے قدرے زیادہ واقف اور تحریری و تقریری طور پر اظہار خیال پر زیادہ قادر ہوں، اور ساتھ ہی ساتھ انگریزی کے حرف شناس بھی ہوں، یہ علمی نتیجہ ان کے بلند عزائم اور اعلانات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا جن کا بانیان ندوہ کی تحریر اور تقریر سے اظہار ہوا، اور نہ اس کو اس بلند نگاہی، روشن ضمیری، بالغ نظری اور فراست ایمانی سے کوئی مناسبت ہے جس کی دولت سے اللہ تعالےٰ نے ان کو سرفراز کیا تھا، اور نہ وقت کے اصل مطالبہ اور خطرہ کے احساس سے ان کا کوئی جوڑ ہے جس نے ان کو بے چین کر رکھا تھا اور جوان کو اپنے گوشۂ عزلت سے نکال کر میدان عمل میں لے آیا تھا، یہ جزوی ترمیم ہر وقت ممکن تھی، اس کے لئے اس عظیم اور طاقتور دعوت و تحریک کی ضرورت نہ تھی جس نے ایک زمانہ میں اس برصغیر (غیر منقسم ہندوستان) کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

حقیقتاً اس کا مقصد اولاً تو علوم اسلامیہ کو زوال و فنا کے اس خطرہ سے بچانا تھا جو اس وقت ان کے سر پر منڈلا رہا تھا، ثانیاً مسلمانوں کو (اعتقادی حیثیت سے) الحاد و بے دینی، تشکک و ارتیاب، اور مغربیت کے سیلاب سے بچانا اور (عملی حیثیت سے) شریعت و قانون اسلامی سے بغاوت، خودسری اور بے راہ روی اور اس طرح کی "جاہلی زندگی" سے محفوظ رکھنا تھا، جس کا خطرہ صحیح دینی رہنمائی نہ ملنے اور علماء کی اپنی پوری صلاحیت و محنت سے کام نہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں کی جدید نسلوں میں پیدا ہوگیا تھا، اور اس کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تحریروں و تقریروں سے اس کا ترشح بھی ہونے لگا تھا۔

علوم اسلامیہ میں مہارت و تبحر

ان دونوں مسئلوں کا حل ان کے نزدیک یہی تھا، دین کے فہم و تفہیم میں گہرائی و گیرائی اور علوم اسلامیہ میں مہارت و تبحر پیدا کیا جائے کہ جدید دماغوں کی بھی تشفی کی جاسکے، اور نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل بھی پیش کیا جاسکے، اس طرح ایک طرف علوم اسلامیہ کا درخت جو عرصہ سے شادابی اور نمو سے محروم ہوتا جارہا ہے، نئے برگ و بار لائے گا، اس کا زندگی سے نیا رشتہ قائم ہوگا، جو ٹوٹتا جارہا ہے، اور وہ اپنی ضرورت و افادیت تسلیم کرا سکے گا، جس کے بغیر کسی ملک و زمانہ میں کسی ادارہ کو باقی رہنے اور جگہ گھیرنے کی اجازت نہیں دی جاتی، دوسری طرف مسلمان مغربی تہذیب اور مادہ پرستی کا لقمہ بننے سے محفوظ ہو جائیں گے ..... جو منہ پھیلائے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔

علم و فکر انسانی، بلکہ مذاہب و ملل کی پوری تاریخ بتلاتی ہے کہ ہر ملک اور ہر دور اور ہر مذہب و تمدن کے دائرہ میں انھیں اشخاص نے علوم اور علمی کے جسم مردہ میں زندگی کی نئی روح پھونکی، نئی حرکت پیدا کی، اور نئے فتنہ کا سد باب کیا، جو غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے، اور جو اپنی دماغی صلاحیت میں اپنے ہم عصروں اور ہم عمروں میں ممتاز تھے، اسلام کی تاریخ اصلاح و تجدید بھی یہی بتاتی ہے، اور ہندوستان کی تعلیمی تاریخ بھی اس کی شہادت دیتی ہے۔[1]

[1] جس وقت فکر اسلامی میں انحلال و افسردگی اور نظام تعلیم میں جمود و تعطل پیدا ہوا، کوئی قد آور شخصیت جو ذہانت و طباعی اور قوت تدریس و کمال تصنیف سے متصف تھی نمایاں ہوئی، اور اس نے پورے نظام فکر و عمل کو زندگی کی ایک نئی قبا عطا کردی اور ایک دو صدی کے لئے امت ایک نیا نشاط و انگار اور ایک نیا ولولۂ عمل پیدا کردیا، اس سلسلہ میں دبلا کسی استقصا اور استیعاب کے، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شیخ احمد منیری، ملک العلماء شیخ شہاب الدین دولت آبادی، ملک العلماء شیخ وجیہ الدین گجراتی، علامہ فتح اللہ شیرازی، مولانا لطف اللہ کوڑوی، ملا محب اللہ بہاری، استاذ العلماء ملا نظام الدین سہالوی، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے نام لئے جاسکتے ہیں۔

دینی نظام تعلیم کے زوال کا اہم سبب اور اس کا اصل علاج

ہمارے مدارس عربیہ اور دینی نظام تعلیم کے زوال کا بڑا سبب اسی عنصر کا فقدان یا اس کی روز افزوں کمی ہے اب بھی اگر علوم اسلامیہ اور اسلامی نظام تعلیم کو کوئی طاقت، زندگی کی نئی قسط عطا کر سکتی ہے، اور حکم الٰہی سے اس کا نیا دور شروع ہو سکتا ہے تو انھیں با مقصد، ذہین وطباع اور مخلص نوجوان فضلاء کے ذریعہ جو نئی توانائیوں سے بھرپور اور مقصد کے عشق و جذبہ سے مخمور ہوں، اور جو مستقبل کے روشن معاشی امکانات کو علوم اسلامیہ اور شریعت اسلامی کے بقا اور حفاظت کے لئے قربان کر سکتے ہوں، موجودہ معاشی حالات اور تعلیمی و سیاسی تغیرات کی وجہ سے یہ عنصر بہت کم ہو گیا ہے، لیکن یکسر مفقود نہیں ہوا ہے، ضرورت اس کو تلاش کرنے اور ایسے وسائل اختیار کرنے کی ہے، جن کی مدد سے کام کے موتی ہاتھ آئیں۔

علوم اسلامیہ میں امتیاز و اختصاص

اسی حقیقت کے احساس کی بنا پر دار العلوم میں چند سال سے اس کا انتظام کیا گیا کہ چند بنیادی اور مرکزی علوم میں امتیاز و اختصاص پیدا کرنے اور امکانی حد تک بلند معیار سے ان کے مطالعہ کا انتظام کیا جائے، اس درجہ کا نام "تخصص" ہے، فی الحال شریعت اور ادب عربی میں تخصص کا انتظام کیا گیا ہے۔

اس شعبۂ اختصاص پر خصوصی توجہ مبذول کرنے، اس کا معیار بلند کرنے اور ایسے حالات اور ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی ضرورت ہے، جس کی بنا پر طلبہ زیادہ یکسوئی اور انہماک کے ساتھ تعلیم کی تکمیل اور علمی ترقی کر سکیں، اور وہ بار بار ان بیرونی جامعات کی طرف نہ دیکھیں، جہاں جانے کا ہمارے مدارس کے طلبہ اور فضلاء میں عام جذبہ و شوق پیدا ہو گیا ہے، اور جس کی وجہ سے ہمارے صف اول کے عربی مدارس میں ایک بے یقینی، بے اعتمادی اور ذہنی انتشار کی فضا پائی جاتی ہے، ہمیں اس کے مادی اور معنوی اسباب و محرکات دونوں کی طرف سنجیدگی اور حقیقت پسندی کے ساتھ توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اور اپنے وسائل و حالات کے دائرہ میں ان تمام رخنوں کو بند کرنا ضروری ہو گیا ہے جن کے راستے سے یہ خیال نفوذ کرتا جا رہا ہے، ہمیں اب دار العلوم کو جلد اس سطح پر لانے کی ضرورت ہے کہ وہ خود اپنی جگہ پر خود کفیل ہو، اپنا خود ایک مقام رکھتا ہو، وہ ایک ہمہ گیر اور مؤثر جامعہ ہو بعض علوم اور مضامین میں اس کی انفرادیت ایسی تسلیم کی جائے کہ خود ممالک عربیہ کی جامعات سے طلبہ اور فضلا اس کی طرف رخ کریں، اور اس کی طرف اپنے انتساب پر فخر محسوس کریں، اسلامی فکر اور فہم دین کا وہ ایسا متوازن، جامع اور حسین نمونہ پیش کرے کہ ان ممالک کے فضلاء اور اساتذہ اپنے یہاں کے طلبہ اور تلامذہ کو اس سے استفادہ کا مشورہ دیں، اللہ کی ذات سے ہمیں اس کی امید ہے (اور اس کے آثار و قرائن موجود ہیں) کہ تھوڑی کوشش سے مستقبل قریب میں یہ بات ممکن ہو گی اب بھی ہمارے پاس ایسے مسلم و عرب ممالک سے طلبہ و فضلائے جامعات کی درخواستیں آتی ہیں جو خود عالمی شہرت کی دانشگاہیں اور جامعات رکھتے ہیں۔

کلیات و معہد

سر دست دار العلوم کو دو کلیات اور ایک معہد میں تقسیم کیا جا رہا ہے، ایک "كلية الشريعة واصول الدين" دوسرے "كلية اللغة العربية والآداب" تیسرے "المعهد العالي للدعوة والفكر الاسلامي" ان کا نظام اور مرکز دار العلوم کے احاطہ کے اندر ایک دوسرے سے الگ ہوگا۔

المعهد العالي للدعوة والفكر الاسلامي

اس معہد میں فی الحال دو سالہ تعلیم کا انتظام شروع کیا جا رہا ہے، داخلہ کے لئے استعداد کی سطح دینیات و ادب عربی میں فضیلت کے معیار کی مطلوب ہوگی۔ اس کے شعبے حسب ذیل ہوں گے۔

۱۔ ممالک عربیہ و مشرق وسطیٰ میں (علمی و فکری طور پر) دینی و ایمانی دعوت۔
۲۔ مذاہب کا تقابلی مطالعہ۔
۳۔ حکمت ولی اللّٰہی۔
۴۔ اصلاحی و تجدیدی تحریکات اور اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں۔

ممالک عربیہ و مشرق وسطیٰ میں
(علمی و فکری طور پر)
دینی و ایمانی دعوت

عالم عربی کی موجودہ افسوسناک صورت حال

اس وقت دنیائے اسلام میں عام طور پر اور عالم عربی میں خاص طور پر اسلام کی اندرونی صلاحیتوں اور توانائیوں سے ناواقفیت، تسخیر کائنات اور علم و فن کی ترقی کے اس دور میں اسلام کے مستقبل سے مایوسی اور اس یقین و اعتماد سے محرومی عام ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین و پیغام اور آپ ہی کے راستہ پر چلنے میں دنیا کی نجات، انسانیت کی سعادت اور حلقہ بگوش اسلام قوموں اور ممالک کی ترقی و سرفرازی ہے، اور یہ کہ آپ حقیقی معنی میں "دانائے سبل، ختم الرسل اور مولائے کل" ہیں۔

اس کے برعکس ان ممالک کے تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ مغربی تہذیب اور مغربی افکار و اقدار، علم انسانی اور ذہن انسانی کا آخری شاہکار اور ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا اس نام نہاد روشن خیالی اور ترقی پسندی کے ساتھ ان میں ابھی تک ان دعوتوں اور تحریکوں سے مسحور ہو جانے کی غیر معمولی صلاحیت ہے، جو زمانۂ قدیم کی یادگار اور جاہلیت کا نشان ہیں، مثلاً محدود و غالی قوم پرستی، وہ رجحانات و اخلاق جو دنیاوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھنے، تمتع و انتفاع کو مقصود زندگی

ماننے اور نفس پرستی کا نتیجہ ہوتے ہیں، اشخاص اور قیادتوں کی تعظیم و اطاعت میں تقدیس و عقیدۂ عصمت کی حد تک غلو (جس کا اظہار بعض عرب ممالک میں ماضی قریب میں ہو چکا ہے) جاہلیت کے بہت سے نشانات کے احیاء کی کوشش، عالمگیر قرآنی زبان کے بجائے مروجہ مقامی زبانوں اور لہجوں کی ترویج کی تحریک، تعلیم و تربیت کا ایسا نظام جو ان قوموں کو نہ صرف اپنے ماضی اور قدیم ثقافت سے بلکہ ایمان و عقیدہ اور اسلامی شخصیت سے بھی کاٹ کر رکھ دے، لٹریچر اور اخبارات و رسائل کے ذریعہ ایسی ذہنی و اخلاقی انارکی اور انتشار پیدا کرنے اور ایک ایسے اخلاقی جذام پھیلانے کی کوشش جس کے بعد یہ قومیں اور ممالک نہ اسلام کے کام کے رہ سکیں گے، نہ اپنے کام کے، اور ان زوال پذیر بلکہ معذب قوموں کی صف میں شامل ہو جائیں گے، جن کے واقعات صحف سماوی میں، اور تاریخ کے صفحات میں ملتے ہیں، اور جن سے نہ صرف یہ کہ انسانیت کی کوئی خدمت نہیں بن آتی بلکہ انسانیت کی خدمت ان سے نجات پانے میں ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مغرب نے (اور صحیح تر الفاظ میں یہودیت اور عیسائیت نے) اگر اسلام اور تمام دنیا کے مسلمانوں کا نہیں تو ان ممالک کا (جو کبھی دعوت اسلامی کا سرچشمہ تھے) قلعہ فتح کر لیا ہے، اور اگر ان میں "دینی ارتداد" نہیں (جس کی مثالیں بھی بعض سربراہان مملکت اور عرب دانشوروں کی تقریروں اور بیانات میں سامنے آتی رہتی ہیں) تو "ذہنی ارتداد" کم سے کم اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ میں پھیل رہا ہے۔

عالم عربی کی اہمیت و صلاحیت

اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ یہ ممالک اسلام کا راس المال اور اس کی طاقت کا اصل مرکز ہیں، اور وہاں کی تبدیلیوں اور خطرات کو کسی وقت اور کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، نیز ان ملکوں میں بہت سی نسلی اور تاریخی خصوصیات کی بنا پر حق بات کو سننے اور قبول کرنے کی صلاحیت "أنظر إلى ما قال ولا تنظر إلى من قال" پر عمل (جو انہی کا عطا کیا ہوا اصول تھا) اور محاسن کے اعتراف کی جرأت دوسری غیر عرب قوموں سے اب بھی زیادہ ہے۔

ندوۃ العلماء کی خصوصی ذمہ داری

پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ ندوۃ العلماء کے داعیوں اور بانیوں نے شروع سے عربی زبان کی اہمیت اور اس کے لسانی، ادبی، بلاغتی و بیانی و انشائی و تحریری پہلو سے اعتناء کا جو مظاہرہ کیا، اور اس نے ہر دور میں عربی کے انشاء پرداز مصنف اور صحافی پیدا کئے، عالم عربی سے روابط پیدا کرنے کی مختلف طریقوں سے کوشش کی، عربی زبان کو ایک زندہ اور "جیتی جاگتی" زبان کی حیثیت سے پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی ہمت افزائی کی، نصاب میں ان حقائق کے پیش نظر نہ صرف تغیر و اصلاح کی بلکہ ایسے نصاب کی ترتیب کی طرف پہلا قدم اٹھایا جو ان دعوتی اور علمی ضرورتوں

کو پورا کرنے میں مدد دے، عالم عربی میں (باستحقاق یا بلا استحقاق) ندوہ کی جو شہرت اور اس کی طرف سے جو حسن ظن پایا جاتا ہے، اور اس کے فضلاء کی تصنیفات و رسائل و مقالات، اور دار العلوم سے نکلنے والے عربی مجلات (ماہنامہ "البعث الاسلامی" اور پندرہ روزہ "الرائد") جس طرح وہاں مقبول و ہر دل عزیز ہیں جس طرح وہاں کے وسیع اشاعتی مرکز اور مکتبے ان دعوتی کتابوں اور رسائل کو شائع کرتے ہیں، اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے پورے عالم عربی میں پھیل جاتے ہیں، اور اسلام پسند نوجوان جس طرح اس کے گرویدہ ہیں[1]، اس سب کا تقاضا ہے، کہ دار العلوم میں ایسے فضلاء کو تیار کرنے کی ہر دور میں کوشش جاری رکھی جائے، جو عربی زبان کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ، اور عالم عربی کو اپنی دعوت کا خصوصی میدان بنائیں، اس پر اپنی صلاحیتیں مرکوز اور اس کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

بانی ندوۃ العلماء کی دور بینی اور بلند نگاہی

میں سمجھتا ہوں کہ بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایسے دور میں جب عربی زبان کا دائرہ اس ملک میں شرح و تحشیہ یا فقہی و کلامی مسائل، تصنیف و تالیف اور اثبات و تردید تک محدود تھا، اور نہ عالم عربی سے رابطہ پیدا کرنے کے وہ محرکات موجود تھے نہ ذرائع (جو ادھر نصف صدی کے اندر اندر وجود میں آ گئے) عربی زبان کو دار العلوم میں اس طرح پڑھنے پڑھانے پر زور دینا کہ دار العلوم کے طلبہ و فضلاء عربی تقریر و تحریر پر قادر ہوں، اور اس کے لئے دار العلوم میں فاضل عرب اساتذہ کے تقرر پر غور فرمانا، اور اس کے لئے کوشش کرنا[2]، اسی بلند نگاہی اور فراست ایمانی کا مظہر تھا کہ ایسا وقت آئے گا کہ جب ندوہ کے فضلاء کو یہ اہم دعوتی فریضہ انجام دینا ہوگا، اور وہ یہ سعادت توفیق خداوندی سے حاصل کریں گے۔

ذمہ داران ندوۃ العلماء کی عربی سے خصوصی دلچسپی

پھر علامہ شبلی، مولانا سید عبد الحی اور مولانا سید سلیمان ندوی کا عربی زبان کو وقتاً فوقتاً اپنے خیالات و تحقیقات کے اظہار کا ذریعہ بنانا، ہمیشہ اس کے جدید اسالیب و روز افزوں ترقی پر نظر رکھنا، اور اس میں ہندوستان کی ناقدری اور ابنائے زمانہ کی بے حسی کے باوجود بعض بلند پایہ تصنیفات و مضامین یادگار چھوڑنا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ندوہ کے عربی زبان کے

[1] اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين" کے اس وقت تک قانونی اور معلوم بارہ ۱۲ ایڈیشن نکل چکے ہیں بعض کتابوں کے چار اور پانچ ایڈیشن نکلے ہیں، راقم سطور کا رسالہ "ردة ولا أبا بكر لها" کم سے کم پچاس ہزار کی تعداد میں تقسیم ہوا ہوگا، حال میں مدیر "البعث الاسلامی" کی کتاب "الاسلام الممتحن" کا اسلامی حلقوں میں بڑے جوش و خروش سے استقبال کیا گیا اور وہ بڑے ذوق و شوق سے پڑھی گئی، اور اس کے لگاتار کئی ایڈیشن قاہرہ سے شائع ہوئے۔

[2] ملاحظہ ہو مولانا کا وہ مکتوب جو انھوں نے ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ کو مکۂ معظمہ سے مولانا سید عبد الحی مددگار ناظم ندوۃ العلماء کو لکھا (مرقع خطوط جمع کردہ مولوی ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب مرحوم)۔

ساتھ لازوال ربط کے قائل تھے، اس کو اس کے قیام کے اہم مقاصد میں سمجھتے تھے، اور ندوہ کے مزدور کے فضلاء کو اس عمل کی تقلید اور سنت اسلاف کی پیروی پر متوجہ رکھنا چاہتے تھے۔

ایک منظم جدوجہد اور وسیع تیاری کی ضرورت

اس مقصد کے حصول کے لئے ہم کو عربی ادب کے نصاب و معیار کو بلند کرنے، عربی تحریر و تقریر اور بحث و تحقیق کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے صحیح استعداد، عالم عربی کے جدید رجحانات و تحریکات اور عربی زبان کے جدید اسالیب بیان اور مکاتب خیال سے واقفیت اور ان سب صلاحیتوں کو دعوت کے کام میں صرف کرنے کا عزم پیدا کرنے کے لئے ایک منظم جدوجہد کرنی پڑے گی، اور اس کو ایک مہم کی طرح چلانا پڑے گا۔

اس مقصد سے "مشرق وسطی میں دعوت کا کام کرنے کے لئے" ایک مستقل شعبہ قائم کرنے کی ضرورت ہے، جس کے لئے ایسے فضلاء کا انتخاب کرنا ہوگا، جو اس کے لئے اپنی صلاحیتیں اور زندگی وقف کر دیں ان کو معقول و مناسب وظیفہ دیا جائے، ان میں تحریری و تقریری صلاحیت پیدا کرنے کا پورا بندوبست کیا جائے، ان کے مطالعہ کے لئے ایک پورا نصاب وضع کیا جائے، بلاد عربیہ کے صاحب فکر و دعوت فضلاء کو یہاں آنے کی دعوت دی جائے، ان کے خطبات اور مجالس کا انتظام کیا جائے، جن سے یہ فضلاء پورا استفادہ کر سکیں، وقتاً فوقتاً ان کو ممالک عربیہ میں مشق و تمرین اور دعوت کے لئے بھیجا جائے، پھر جو لوگ تیار ہو جائیں، ان کے لئے ان ممالک کے دوروں کا مختلف مقامات پر معتدبہ قیام کا انتظام کیا جائے، جہاں وہ مختلف طبقوں سے رابطہ قائم کرنے، ضرورت کے وقت خطاب کرنے اور ندوۃ العلماء کے فضلاء کے قلم سے نکلے ہوئے لٹریچر اور دعوتی کتابوں اور رسائل کو پہونچانے اور نوجوانوں میں ان کو مقبول و مروج کرنے کی کوشش کریں گے۔

مذاہب کا تقابلی مطالعہ

علمائے اسلام اور مذاہب کا تقابلی مطالعہ

مذاہب کا تقابلی مطالعہ ایک متبحر عالم دین خاص طور پر اس عالم کے لئے جس کو دعوتی اور تحقیقی کام کرنا ہے ہر زمانہ میں ضروری رہا ہے اور اس سے اسلام کی حقانیت، مذاہب عالم میں اس کی انفرادیت پر نیا اذعان قلبی اور اس کو علی وجہ البصیرۃ ثابت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، علمائے اسلام نے ہر دور میں اس سے اعتناء کیا ہے خصوصیت کے ساتھ امام ابوالحسن اشعری (صاحب کتاب الفصول[1]) الملل والنحل کے موضوع پر تصنیف کرنے والے ممتاز علماء علامہ شہرستانی علامہ ابن حزم

[1] یہ کتاب دوسرے مذاہب اور ادیان و فرق کی تردید میں ہے، جس میں انھوں نے فلاسفہ طبائعین (نیچری) دہریہ، ہندؤں، مجوسیوں اور عیسائیوں کا رد کیا ہے، یہ بڑی ضخیم کتاب ہے اور دس کتابوں کا مجموعہ ہے (تبیین کذب المفتری ص ۱۳۸)

اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کا اس سلسلہ میں نام لیا جا سکتا ہے۔

علمائے ہند کا حصہ

ہندوستان میں اس کے مخصوص حالات کی بنا پر اس کام کی طرف خاص توجہ کی گئی، اور اس کے لٹریچر میں بیش بہا اضافہ ہوا، شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان نے صحف سابقہ کے مطالعہ پر خاص زور دیا، اور علماء کے لئے اس کو ضروری قرار دیا، اور ان کے بعد مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، مولانا آل حسن موہانی، مولانا عنایت رسول چریاکوٹی وغیرہ علماء نے اس سلسلہ کو جاری رکھا، خود ندوۃ العلماء کے بانی مولانا سید محمد علی مونگیری کو اس موضوع سے خصوصی شغف تھا، اور شاید عیسائی مشنریوں سے مناظرہ کرنے کی وجہ سے اور ان ہتھیاروں اور اسلحہ سے واقف ہونے کی بنا پر جو وہ اسلام کے خلاف استعمال کرتے تھے، ان کو ندوۃ العلماء کی علمی تحریک اور اصلاح و توسیع نصاب کی ضرورت پر توجہ ہوئی، جس نے بالآخر دار العلوم کی شکل اختیار کر لی۔

اس موضوع سے ندوۃ العلماء کے ارکان کی خصوصی دلچسپی

یہ مضمون اب بھی بہت سی مغربی جامعات اور خود ہمارے ملک کی بعض یونیورسٹیوں میں ایک مستقل مضمون اور شعبہ کی حیثیت سے موجود ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء بہت سے وجوہ و اسباب کی بنا پر اس کا زیادہ مستحق اور اس کے لئے اس کام کی تکمیل نسبۃً آسان ہے کہ وہ اپنے یہاں اس کو ایک مستقل مضمون اور شعبہ کی حیثیت سے شروع کرے، بانی ندوۃ العلماء اور ان کے متعدد رفقاء و معاونین و ارکان ندوۃ العلماء بالخصوص مولانا عبدالحق حقانی، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا قاضی محمد سلیمان منصورپوری، (صاحب "رحمۃ للعالمین") اور مولانا میر عبدالکریم ہزاروی (سابق استاذ دار العلوم اور سابق مدیر "الندوہ") کا خصوصی ذوق اور موضوع ہونے کی وجہ سے اس کو ایک طرح کی وراثت بھی پہونچتی ہے، مستشرقین کی لامتناہی تصنیفات اور مختلف مذاہب کے دعوت و تبلیغ کے میدان میں آجانے کی وجہ سے اس کی ضرورت دوچند ہو گئی ہے۔

عیسائیت کے وسیع و خطرناک عزائم

یوں تو قدیم مذاہب ہونے کی بنا پر یہودیت اور مجوسیت اور ہندوستان میں پیدا ہونے اور یہاں سے ظہور کرنے کی بنا پر ہندو مذہب اور بدھ مت ہماری خصوصی توجہ کے مستحق ہیں، اور مستقبل میں ان کے مطالعہ، ان پر گہری نظر اور ان سے مستند واقفیت پیدا کرنے کا سامان کیا جانا چاہئے، لیکن فی الحال عیسائیت کو اس سلسلہ میں اولیت حاصل ہے، اور اسی سے اس شعبہ کا کام شروع کرنا چاہئے۔

جن لوگوں کی ادیان و ملل کی تاریخ، موجودہ عہد میں ان کی سرگرمیوں اور ان کی ایجابی و سلبی کردار کی نوعیت اور عالم اسلام کی موجودہ صورت حال پر نظر ہے، اور جن حضرات کے سامنے صلیبی جنگوں کی تاریخ، مستشرقین یورپ کی تصنیفی و تعلیمی کوششوں کی روئداد، برطانیہ اور فرانس اور اخیر میں امریکہ کی استعماری

اور توسیعی مقاصد اور ان کی سازشوں کی اجمالی تاریخ ہے، اور وہ جانتے ہیں کہ عیسائیت کو ممالک عربیہ بالخصوص اسلام کے اصل قلعہ (جزیرۃ العرب) پر اپنا اثر و نفوذ قائم کرنے سے کس قدر دلچسپی ہے، ان کا اس حقیقت پر پورا اذعان ہوگا کہ اسلام کی اصل حریف اس وقت عیسائیت ہے اور وہی اس وقت ان تمام اداروں اور تحریکات کی سرپرستی کر رہی ہے، جو اسلام کی جڑوں پر تیشہ چلا رہی ہیں، اسی نے صیہونیت، ماسونیت، الحاد و تشکیک پیدا کرنے والی تمام تحریکوں کو جنم دیا ہے، اور اسلام کو اصل خطرہ اس وقت اسی سے ہے۔

ردِّ عیسائیت کا سب سے وسیع کام

یہ تقدیری بات تھی کہ ہندوستانی مسلمانوں کو عالم اسلام میں سب سے پہلے اس خطرہ کا سامنا کرنا پڑا، اور سب سے پہلے یہیں کے علماء کو اس کا علمی طور پر مقابلہ کرنے، اس کے چیلنج کو قبول کرنے اور اس کی جرأتمندانہ علمی تنقید و احتساب کی توفیق ملی، اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ وسیع، ٹھوس اور مؤثر کام یہیں ہوا، اس سلسلہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، ڈاکٹر محمد وزیر خاں، مولانا آل حسن موہانی، مولانا عنایت رسول عباسی چریاکوٹی، مولانا عبدالحق حقانی، اور مولانا محمد علی مونگیری کی خدمات کا اعتراف کئے بغیر رہا نہیں جا سکتا، جنھوں نے ردِّ عیسائیت اور بائبل کی تنقید میں ایسی بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں، جنھوں نے عیسائیت کے بڑھتے ہوئے خطرہ کو روک دیا، اور اس کو علمی اور کلامی طریقہ پر ایسا مجروح اور کمزور بنا دیا جس سے پورے عالم مسیحی میں ایک تشویش اور پریشانی پیدا ہو گئی، یہ واقعہ ہے کہ اس سلسلہ کا سب سے وسیع اور مؤثر کام ہندوستان میں انجام پایا، اور اب بھی ہندوستان میں (عربی اور انگریزی سے واقفیت اور عیسائیت کے اثرات سے آزادی کی بنا پر) اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کی سب سے زیادہ صلاحیت ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء میں مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا شعبہ اسی ضرورت کے پیش نظر قائم کیا جا رہا ہے، اور اس کی ابتداء عیسائیت کے تقابلی و تحقیقی مطالعہ سے کی جا رہی ہے۔

شعبۂ حکمت ولی اللّٰہی

قرون متأخرہ میں دین کی جامع تفہیم

یہ حقیقت (خاص طور پر ندوۃ العلماء کے علمی حلقہ میں) کچھ زیادہ محتاج ثبوت و تشریح نہیں ہے کہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی بلند پایہ تصنیفات، اپنی مکمل و جامع علمی و عملی زندگی، نسبت مع اللہ، ارشاد و تربیت کی سرگرمی، سلوک و تزکیہ میں محققانہ و مجتہدانہ مقام، فقہ و حدیث و مذاہب اربعہ میں تطبیق کے ذوق اور اس کی یگانہ صلاحیت، ملت اسلامیہ کی تاریخ اور فلسفۂ تاریخ پر گہری نظر، ملت اسلامیہ ہندیہ کے حال و مآل سے گہری دلچسپی، اس کی نہ صرف حفاظت بلکہ اس کے اقتدار کے بچانے کی فکر، تحقیق و

تدریس و تربیت کے ذریعہ جو تجدیدی خدمات انجام دیں، ان کا دائرہ ہمارے اس دور پر بھی محیط و حاوی ہے، اور بلا تردد کہا جا سکتا ہے کہ اس دور کے شروع ہونے اور اس کے فتنوں کے سامنے آنے سے پہلے ان کے ذہن اور ان کے فکر و قلم کو اس عہد کے لئے علمی و روحانی طور پر سامان تیار کرنے میں مشغول کر دیا گیا تھا[1]، ان کی دینی تفہیم قرون متأخرہ میں دین کی جامع ترین تفہیم ہے جس میں عقائد و علم کلام حدیث و فقہ، علم الاخلاق، تمدن و سیاست اور احسان و تزکیۂ نفس شامل ہے، اور وہ اپنے اندر اس عہد اور موجودہ تعلیم یافتہ نسل کے لئے رہنمائی و تشفی کا وہ زیادہ سے زیادہ سامان رکھتی ہے، جو کوئی ایسی تفہیم و ترجمانی رکھ سکتی ہے، جو اس عہد سے کچھ پیشتر خالص کتاب و سنت کی روشنی میں مرتب ہوئی ہو۔

ولی اللّٰہی دبستانِ فکر

یوں تو اس تحتی برِ اعظم میں جو سنجیدہ، متوازن اور بامقصد اصلاحی، علمی، فکری، تعلیمی و تربیتی کام اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جدوجہد جاری ہے، اور اس مقصد و بنیاد پر جو ادارے اور مراکز قائم ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر کا (معنوی و فکری) سلسلۂ نسب حضرت شاہ ولی اللہ ہی کے دبستان فکر اور مکتب خیال پر منتہی ہوتا ہے، ندوۃ العلماء اور اس کا دار العلوم بھی اسی خاندان کا فرد ہے کہ اس کے بانیوں کے تلمذ کا سلسلہ بھی شاہ صاحب ہی کے خاندان سے مل جاتا ہے، لیکن اس اتصال و انتساب سے زیادہ اس کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ ان کے فکر کا صرف عقیدہ و مسلک (خالص عقیدۂ توحید اور ردِّ شرک و بدعت) ہی میں پابند و ہمنوا نہیں بلکہ ان کے تعلیمی نظریات و افکار، ان کے ذوقِ تطبیق اور اعتدال و جامعیت اور ان کی وسعت نظر کا بھی زیادہ سے زیادہ ہمنوا اور ان کی روح کا حامل ہے۔

اسی بنا پر جب شوال ۱۳۹۵ھ کی آخری تاریخوں (۳۰ اکتوبر تا ۳ نومبر ۱۹۷۵ء) میں ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی کا انتظام کیا گیا اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ندوۃ العلماء کے منتسبین کے لئے اور دوسرے مکاتب خیال کے لوگوں کے لئے بھی ندوۃ العلماء کے مسلک کی وضاحت و تعیین کر دیا جائے تاکہ آئندہ کسی غلط فہمی اور غلط روی کی گنجائش نہ رہے، اور اگر وہ پیدا ہو تو اس پر ٹوکا جا سکے تو ناظم ندوۃ العلماء نے "ندوۃ العلماء کا مسلک" کے عنوان سے ایک تحریر مرتب کی جو دار العلوم کے ہال کے صدر دروازہ پر ثبت کر دی گئی، اس تحریر میں اس کے جو بنیادی نظریات بیان کئے گئے ہیں وہ سب اس کے بانیوں کی تحریروں اور تقریروں کی روح اور اشاروں سے لئے گئے ہیں، اور ان کی تائید میں ان کے اقوال اور تحریروں کو پیش کیا جا سکتا ہے، اس تحریر کو اس جملہ پر ختم کیا گیا ہے:-

"مختصر یہ کہ وہ (ندوۃ العلماء) حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے علمی و فکری اور کلامی و فقہی مدرسۂ فکر سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے، اس لحاظ سے ندوۃ العلماء ایک محدود تعلیمی مرکز سے زیادہ ایک جامع اور کثیر المقاصد دبستان فکر اور مکتب خیال ہے[2]۔"

[1] جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ اور تفہیمات الٰہیہ وغیرہ کے اشارات سے ظاہر ہوتا ہے۔

[2] تفصیل اور اصل عبارت کے لئے ملاحظہ ہو روداد چمن "ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کی مکمل رپورٹ" صفحہ ۲۰۰-۱۸۰

اسی بنا پر مولانا عبید اللہ صاحب سندھی مرحوم نے (جو اس دور میں شاہ صاحب کے فکر و دعوت کے پُرجوش مبلغ اعدان کی کتابوں کے سب سے بڑے شارح و ترجمان تھے) اپنی آمد ہندوستان کے موقعہ پر راقم سطور سے ایک مرتبہ کہا کہ ندوۃ العلماء ان دوسرے اداروں کے مقابلہ میں (جن کے لئے حالات و مصالح نے بعض پابندیاں پیدا کر دی ہیں) شاہ ولی اللہ صاحب کے مسلک و راہ پر زیادہ آسانی و کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے، اور وہ ان کی فکر سے زیادہ مطابق اور ہم آہنگ ہے۔"

فی الحال اس شعبہ کے لئے کام کا ایک مختصر اور سرسری خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس خاکہ میں رنگ بھرنے اور اس کو وسیع کرنے کی پوری گنجائش ہے۔

مطالعہ اور فہم

شاہ صاحب کا عہد اور اس کا پس منظر

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی سیرت، ان کے کمالات و خصوصیات اور ان کے ذہنی و علمی ارتقاء، اور ان کے فہم دین اور دعوت کے عناصر ترکیبی کو سمجھنے کے لئے ان کے عہد کا پس منظر ان کے حالات زندگی کا گہرا مطالعہ جس کے لئے حسب ذیل کتابیں اور مقالات مفید ہوں گے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے عہد اور ان کے تجدیدی کارنامہ کا تعارفؒ، ہندوستان کی دینی و سیاسی زندگی سے اجمالی واقفیت، نزہۃ الخواطر جلد ششم کا مطالعہ الفرقان کا شاہ ولی اللہ نمبر، الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف انفاس العارفین، انسان العین فی مشائخ الحرمین، شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی خطوط از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

علوم دینیہ

شاہ صاحب کی اہم تصنیفات

متن قرآن، تفسیر و حدیث، عقائد و علم کلام میں شاہ ولی اللہ صاحب کا خاص اسلوب اور منہج، حسب ذیل کتب اس سلسلہ میں مفید ہوں گی۔

الفوز الکبیر، قواعد ترجمۃ القرآن، فتح الرحمٰن (حواشی اور منہیات) مصفی شرح مؤطا کا مقدمہ، العقیدۃ الحسنۃ، حجۃ اللہ البالغہ کے وہ ابواب جو طبقات کتب حدیث اور اسباب اختلاف ائمہ پر مشتمل ہیں، نیز دوسری جلد کے ابواب و فصول، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، المقدمۃ السنیۃ فی انتصار الفرقۃ السنیہ۔

متن قرآن، تفسیر حدیث اور عقائد کو شاہ ولی اللہؒ کے بیان اور طریقہ پر پڑھانے کی مشق اور تیاری۔

حجۃ اللہ البالغہ پر عمیق نظر پیدا کرنے اس کے مضامین کے احتواء اس کی تدریس و تشریح کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش، اسرار و مقاصد شریعت کے موضوع پر جو قدیم و جدید کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس کتاب کی انفرادیت و امتیاز کو معلوم کرنے کی کوشش، مسائل و حالات حاضرہ سے اس کا رابطہ اور اس کی مدد سے جدید ذہنوں کی تشفی اور اسلام کا ایک جامع نظام فکر و عمل پیش کرنے کی جد و جہد، اس کتاب کی مدد سے شاہ صاحب کے دینی فہم و تفہیم کی جامعیت (شمول) کی خصوصیت کو سمجھنے کی کوشش۔

خلافت و امامت، امارت و نظم ملت کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے خصوصی علوم اور تحقیقات اور ان کی دقت نظر اور قرآن و حدیث، تاریخ اور علم الاجتماع کے دائرہ میں ان کی عمیق نظر اور ذہن رسا کو سمجھنے کے لئے ان کی معرکۃ الآراء کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" اور ان کے نبیرۂ گرامی حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی منفرد کتاب "منصب امامت" کو سامنے رکھنا اور ان کا گہرا مطالعہ۔

ملہ اس کے لئے تاریخ دعوت و عزیمت کا حصہ چہارم (حضرت مجدد الف ثانی) کا مطالعہ ضروری اور مفید ہوگا

عرض و تلخیص

اردو، عربی، انگریزی میں جدید اسلوب میں شاہ صاحب کے فکر کو پیش کرنے کی کوشش۔

شاہ ولی اللہ کے فکر، دعوت اور تفہیم کے اثرات و نتائج کا گہرا اور وسیع مطالعہ، حضرت شاہ عبد العزیز کی تفسیر فتح العزیز، مجموعہ فتاویٰ، تحفۂ اثنا عشریہ اور سید احمد شہیدؒ، اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کی دعوت اصلاح عقائد و رسوم، رجوع الی الشریعت، تحریک جہاد و تاسیس خلافت علی منہاج النبوۃ کی تاریخ اور سید صاحب کی "صراط مستقیم" اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" اور دار العلوم دیوبند کے بانیوں اور علمائے اہل حدیث کی تصنیفات کے آئینہ میں سمجھنے کی کوشش

اصلاحی و تجدیدی تحریکات

اور اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں

ہندوستان کی سرزمین پر ایک نیا تجربہ

"ہندوستان کی سرزمین پر مذہب، تہذیب اور ثقافت کی پوری تاریخ میں ایک انوکھا اور منفرد تجربہ کیا گیا، اور یہ تجربہ غیر معمولی اور بے مثال طریقہ پر کامیاب ہوا اس سرزمین میں جب اسلام کے قدم آئے تو اس کے جلو میں علم و تہذیب بھی تھی اور وہ مسلک زندگی بھی جو زبان، کلچر، قوم و نسل اور قومی عادات و خصائل کا پابند نہیں تھا، دیکھنے والوں کو بہت جلد نظر آ گیا کہ اسلام کے خمیر میں ایک ایسی باطنی قوت پوشیدہ ہے، جو خوابیدہ صلاحیتوں کو جگاتی، ذہانت کے خشک سوتوں کو روانی بخشتی ہے، اور انسانی صلاحیتوں اور طاقتوں کو انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنا سکھاتی ہے اس کے ساتھ اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا کہ انسان کی فطرت سلیم خود بڑھ کر دین فطرت کا استقبال کرتی ہے اور اس کے ساتھ اس طرح ہمنوا اور ہم آہنگ ہو جاتی ہے جیسے وہ اس کے انتظار میں دن گن رہی تھی، اس سے ایسا جہاں اس دین کی اس مخفی صلاحیت و طاقت کا اندازہ ہوا وہاں اس سرزمین کی نرمی اور زرخیزی کا بھی جس نے اس نہال تازہ کو اس آسانی کے ساتھ قبول کیا،

اور پھلنے پھولنے کا موقعہ دیا، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علوم اسلامیہ کا درخت ہر طرح کی زمین اور ہر قسم کی آب و ہوا میں برگ و بار لاتا اور نئے نئے شگوفے کھلاتا ہے؛ نیز یہ کہ دوسرے شاداب درخت سے قلم لگانے سے اس کی قوت نمو اور شادابی بڑھ جاتی ہے۔

ان حقیقتوں کے ساتھ ایک اور نئی حقیقت کا انکشاف ہوا جو اقوام و ملل کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، وہ یہ کہ تنہائی اور مسافرت کے احساس، اپنے اصل سرچشمہ سے دوری، تازہ رسد اور نئی کمک سے مایوسی نے اس نو وارد کا حوصلہ پست اور اس کو اپنے مستقبل سے مایوس اور ہراساں کرنے کے بجائے اس کے دل کو ایک طاقت اور نئے جوش اور نئے اعتماد سے معمور و مخمور کر دیا، اس نے اس صورت حال سے شکستگی اور مایوسی کا سبق لینے کے بجائے ہمت و جرأت، خدا کی نصرت غیبی اور اپنے ناتواں بازوؤں پر اعتماد کرنے کا سبق لیا، اس کو اپنے پیغام و دعوت کی صلاحیت و افادیت اور اس ملک میں اس کی ضرورت پر یقین تھا، یہ احساس کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام کی ایک دور دراز سرحد کا محافظ اور پاسباں بنایا ہے، اور اس کے دفاع کی ذمہ داری تنہا اس کے سر ڈالی ہے، ایک مختصر سی اقلیت کو ایسی قوت عطا کرتی ہے جس سے انقلاب انگیز اور محیر العقول کارنامے وجود میں آتے ہیں، وہ ہر آزمائش میں پوری اترتی ہے، وہ اقوام عالم کے سابقہ تجربات کی تردید کرتی ہے اور مادہ پرستانہ منطق اور ریاضی کے جامد اصولوں اور اعداد و شمار کے بے روح و بے رحم فلسفہ کو غلط ثابت کر دیتی ہے۔

اسلامی ہندوستانی تہذیب

اسلام کا یہ مختصر اور اولین قافلہ اس ملک میں پردیسی کی طرح وارد ہوتا ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کو اپنا عزیز وطن اور محبوب مسکن بنا لیتا ہے، اس ملک کے اصلی باشندے اس کی محبت کا دم بھرنے لگتے ہیں، اور ان نو وارد انسانوں کی شکل میں ان کو محبت کرنے والے بھائی، شفیق استاد، خیر خواہ حاکم، آزمودہ کار منتظم، ماہر فن کاریگر، اور بلند پایہ عالم و دانشور مل جاتے ہیں، یہ اسلامی نو آبادی اپنی ذہنی صلاحیت، علمی تجربہ، قوت ایجاد و اختراع، قوت عمل اور انتظامی صلاحیت کا ایک ایک قطرہ اس سرزمین میں نچوڑ دیتی ہے، یہاں ترکوں کی بہ گری و ترکتازی، مغلوں کی اولو العزمی، افغانوں کی غیرت قومی، ایرانیوں کا ذوق جمال و رعنائی خیال، عربوں کی حقیقت پسندی اور ذوق سلیم، ملک کے باشندوں کی نرم خوئی اور صلح جوئی اور شعر و نغمہ و فلسفہ و تصوف سے فطری مناسبت سے آکر گھل مل گیا، ان سب مختلف (اور بعض اوقات متضاد) صفات پر اسلام کے عقیدۂ توحید کا پرتو اور اس کی عادلانہ تعلیمات کا عکس اس طرح پڑا کہ اس نے ان کو ایک نیا رنگ، و آہنگ عطا کیا اور ان کو ایک دوسرے سے شیر و شکر کر کے ایک نئی زندگی بخشی، اس کے نتیجہ میں ایک نئی تہذیب وجود میں آئی جس کو ہم بجا طور پر "اسلامی ہندوستانی تہذیب" کہہ سکتے ہیں۔

ایک نیا تہذیبی فکری و علمی دبستان

اس نئے عہد کے آغاز کے ساتھ ہندوستان میں ایک نیا تہذیبی، فکری، علمی دبستان وجود میں آیا، جو اپنی ایک مستقل شخصیت اور نمایاں کردار رکھتا تھا، اس نے بڑی تعداد میں ایسے ماہرین فن، موجدین علوم اور ارباب فضل و کمال پیدا کئے جو خود مختلف مکاتب خیال کے بانی تھے، جنھوں نے علم کی نئی دنیاؤں سے اس ملک کو روشناس کیا، اور نہ صرف علوم دینیہ تفسیر و حدیث اور فقہ و عقائد میں ان کی پیشوائی و سربراہی تسلیم کی گئی بلکہ عربی لغت و زبان ادب میں بھی علماء عرب نے ان کا لوہا مان لیا، اور ان کی بعض تصنیفات نے ان علوم میں بنیادی مأخذ اور سند کی حیثیت اختیار کر لی، ان میں کچھ کتابیں پورے اسلامی کتب خانہ میں اب تک بے نظیر اور منفرد ہیں۔

اس مدرسۂ فکر نے تصنیف و تالیف کی اس تحریک کو جو آٹھویں صدی ہجری (پندرھویں صدی عیسوی) کے بعد ذہنی اضمحلال اور علمی زوال کا شکار ہو چکی تھی، نیا خون اور نئی زندگی عطا کی، تاتاریوں کے فتنۂ عالم آشوب میں اس نے بعض اسلامی علوم کے لئے پناہ گاہ کا کام دیا، اور عہد آخر میں اس کو حدیث نبوی کی خدمت و اشاعت کا سب سے بڑا مرکز بننے کا شرف حاصل رہا، جہاں سے اس فن شریف کی شعاعیں دوسرے ملکوں میں پھیلیں اور "درآمد" کے بجائے "برآمد" کا سلسلہ شروع ہوا، اس سرزمین میں یکتائے زمانہ اور سرآمد روزگار علماء و ائمۂ فن پیدا ہوئے اور اس موضوع پر بہتر سے بہتر کتابیں یہاں تیار کی گئیں۔

دور آخر میں اصلاح و تجدید اور علم و تحقیق کا مرکز

یہاں کے متعدد علماء حق اور ارباب دعوت و عزیمت نے مختلف زمانوں میں اصلاح و تجدید اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا وہ کار عظیم انجام دیا جس کی صدائے بازگشت ہر جگہ سنی گئی، اور اس کے مبارک اثرات دنیائے اسلام کے دور دراز حصوں تک پہونچے اور لاکھوں انسانوں نے ان کے فیض و اثر سے اپنے قلب و روح کی پیاس بجھائی، اور دلوں کو روشن کیا۔"

کم سے کم آٹھویں صدی ہجری سے عالم اسلام کا مرکز ثقل ہندوستان کی طرف منتقل ہو گیا، اور وہ اصلاحی اور تجدیدی کوششوں، عمیق و دقیق علوم، اور معارف اسلامی، تزکیہ و احسان، اور پھر آخر میں بارھویں صدی کی ابتداء سے حدیث و علوم حدیث کا مرکز بن گیا، اور اس کا امتیاز چودھویں صدی ہجری کے وسط تک قائم رہا، اور حقیقتاً اسی ملک کے علماء و محدثین کے شغف علم حدیث، ان کی تدریسی سرگرمیوں اور نامور مدارس دینیہ نے زوال و انحطاط اور غفلت و بے توجہی کی اس تیز رو سے بچا لیا، جو اس کی طرف بڑھ رہی تھی، اور ممالک عربیہ اور ان کے شہرۂ آفاق علمی و تدریسی مرکز اس کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔

ہندوستان کے اسلامی و علمی دور کے مطالعہ کی خصوصی ضرورت

اس سب کا قدرتی تقاضا تھا کہ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کی تاریخ علوم اسلامیہ، فکر اسلامی، اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے اس کی جد و جہد کی تاریخ کا مطالعہ ممالک عربیہ اور عالم اسلام کی مؤقر جامعات اور اہم دانش گاہوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بنتا، اور ان میں اس کے لئے مستقل شعبہ قائم ہوتا کہ اس کے بغیر ملت اسلامیہ کی فکری و علمی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان اور ملت اسلامیہ ہندیہ کی خدمات اور اس کے مخصوص کردار اور دبستان فکر کا

کا تعلق افغانوں کی قومی خصوصیات سے ہے ؎

ملت آوارۂ کوہ و دمن — در رگِ او خونِ شیراں موجزن
زیرک و روئیں تن و روشن جبیں — چشم او چوں جرہ بازاں تیزبیں (پیام مشرق)

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج — عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان (ضرب کلیم)
وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا — شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری (")
اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر — اگر ہو صلح تو رعنا غزالِ تاتاری
وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردکِ میدانی — کہسار کی خلوت ہے تعلیم خود آگاہی (")
ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی — وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگیں (")
فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی — یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی الخ (")

اقبال افغانوں کی خوبیوں کے ساتھ ان کی کمزوریوں سے بھی واقف ہیں اس لئے وہ ان کے آپسی اختلافات، قبائلی عصبیتوں اور خانہ جنگیوں پر تنقید کرتے اور انھیں ان کے بُرے نتائج سے خبردار کرتے ہیں کہ ان علتوں کے سبب افغان اپنا حقیقی رول نہیں ادا کر پاتے اور دوسروں کے مقابلے میں پسماندہ رہ جاتے ہیں، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ماضی میں ہندوستان کی افغان حکومت کو مغلوں نے اس کی داخلی کمزوریوں ہی کے سبب شکست دے دی۔ اور آج سوویت روس ان کے اختلافات سے فائدہ اٹھا کر افغانستان کو اپنی ننگی جارحیت اور شرمناک سفاکی و بربریت کا نشانہ بنائے ہوئے ہے۔ اور ایک راسخ العقیدہ اسلامی ملک پر اپنے ایجنٹوں اور فوجی طاقت کے ذریعہ اشتراکی نظریہ کو تھوپنے کی شیطانی کوشش کر رہا ہے۔ اقبال نے افغانوں کی لامرکزیت وجہالت اور پسماندگی و بے جا قناعت پر افسوس کیا ہے جس کے سبب وہ زندگی کی دوڑ میں بچھڑ گئے ہیں اور ان کا ملک متمدن ممالک کے سیلِ رواں کے درمیان ایک جزیرہ بن کر رہ گیا ہے وہ بڑے کرب و الم کے ساتھ فرماتے ہیں :۔

....لیکن از بے مرکزی آشفتہ روز — بے نظام و ناتمام و نیم سوز
فرِ بازاں نیست در پروازشاں — از تدرواں پست تر پروازشاں
آہ قومے بے تب و تابِ حیات — روزگارش بے نصیب از واردات
آں یکے اندر سجود، ایں در قیام — کار و بارش چوں صلاتِ بے امام
ریز ریز از سنگِ او مینائے او — آہ از امروزِ بے فردائے او (مسافر)

؎

یہ نکتہ خوب کہا شیر شاہ سوری نے — کہ امتیازِ قبائل تمام تر خواری
عزیز ہے انھیں نام وزیری و محسود — ابھی یہ خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری
ہزار پارہ ہے کہسار کی مسلمانی — کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا زناری
وہی حرم ہے وہی اعتبارِ لات و منات — خدا نصیب کرے تجھ کو ضربتِ کاری
قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم — کہ ہو نام افغانیوں کا بلند

اس کے علاوہ اقبال افغانوں کی سادہ طبعی اور بے پروائی کی طرف سے فکرمند نظر آتے ہیں کہ وہ اپنی ذہنی و فکری ناپختگی و ناتجربہ کاری کے سبب مغربی تہذیب کے کھوکھلے مگر پرفریب مظاہر و مناظر کی تقلید میں نہ مبتلا ہو جائیں اور اس طرح ان کی گرانمایہ قومی خصوصیات نہ ختم ہو جائیں۔ اقبال کی یہ تشویش و فکرمندی انکی دوربینی اور مستقبل سے آگاہی پر مبنی تھی، چنانچہ افغان مغربیت کے فریب کا شکار بھی ہوئے اور اشتراکیت کا پیرِ تسمہ پا بھی ان پر مسلط ہو گیا، اقبال، افغانوں کی فریب خوردگی و سادگی اور مغربی تہذیب سے قربت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے اور انھیں اپنی خودی کو پہچاننے اور 'فقرِ غیور' کو اپنانے کی دعوت دیتے ہیں ؎

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو — کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ
مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفلانہ طبیعت تیری — اور عیار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش
خود دار نہ ہو فقر تو ہے قہرِ الٰہی — ہو صاحبِ غیرت تو ہے تمہیدِ امیری
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن — قدم اٹھا! یہ مقام انتہائے راہ نہیں

بقیہ صفحہ ۳۰

شایانِ شان تعارف نہ ہونے کی وجہ سے ان ممالک میں اس کی طرف سے مسلسل بے اعتنائی برتی جاتی رہی۔

دارالعلوم میں مستقل شعبہ کا قیام

لیکن یہ ناواقفیت یا ناقص واقفیت اِن ممالک اور ان کی جامعات کے لئے عذر بن سکتی ہے، تو ہندوستان کے لئے یہ عذر مسموع نہیں ہو سکتا۔ خاص طور پر ندوۃ العلماء اور اس کے دارالعلوم کے لئے۔ اس کی کوئی گنجائش اور جواز نہیں کہ ہندوستان کے اس زریں اسلامی عہد اور ہندوستانی علوم و فنون میں ہندوستانی مسلمانوں کے اہم اور بنیادی حصے کے تعارف کا کام اسی سرزمین پر انجام پایا، جہاں دارالعلوم روزِ اول سے قائم ہے اور ان ہاتھوں سے انجام پایا جو شروع سے اس کی تعمیر و ترقی میں سرگرم و شریک کار رہے ہیں، اس لئے ہر طرح مناسب اور قرینِ قیاس ہے کہ یہ شعبہ سب سے پہلے دارالعلوم میں قائم کیا جائے اور اس کے لئے مطالعہ، واقفیت، رہنمائی اور اس میں مہارتِ خصوصی حاصل کرنے کا سامان مہیا کیا جائے۔

انتقال پُرملال

اردو کے مشہور شاعر جناب مفتوں کوٹوی کا یکم ستمبر ۱۹۸۰ء کو انتقال ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کوٹہ راجستھان میں رہتے تھے اور اپنی تخلیقات کو ملی اخبارات و رسائل کے لئے وقف کر دیا تھا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۲ سال کی تھی قارئین تعمیر حیات سے دعا کی درخواست ہے۔

ندوہ کے شب و روز

- دارالعلوم کے تعلیمی سال کا آغاز
- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا عمومی افتتاحی خطاب
- ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی ندوۃ العلماء میں آمد
- تعمیرات

دارالعلوم کے تعلیمی سال کا آغاز غیر متوقع شدید سیلاب اور بارش کی بنا پر قدرے تاخیر سے ہوا، معمول کے مطابق اس سال بھی داخلہ کے لئے آنے والے طلبہ کی تعداد خاصی تھی لیکن تاخیر کی بنا پر بہت سارے طلباء اپنے گھروں کو واپس ہو گئے، لیکن اس کے باوجود سال رواں میں داخلہ لینے والے طلباء کی تعداد کچھ کم نہ تھی۔ ثانویہ، دارالعلوم اور درجہ حفظ میں معمول کے مطابق داخلے ہوئے، داخلہ کا سلسلہ تقریباً ۱۰ شوال سے شروع ہو گیا تھا اور یہ سلسلہ ۱۸ شوال تک جاری رہا قدیم طلباء بھی ۱۸ شوال تک جو دارالعلوم کھلنے کی آخری تاریخ تھی آگئے اور ان کے بھی داخلے چند روز میں مکمل ہو گئے۔ باقاعدہ طور پر ۲۵ شوال سے دارالعلوم کے درجوں میں تعلیم شروع ہو گئی اور اسی آب و تاب کے ساتھ ہو رہی ہے۔ تعلیمی سال کے آغاز میں جیسا کہ معمول ہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ایک عمومی خطاب ہوتا ہے اس سال بھی ۲۶ شوال کو دارالعلوم کی وسیع مسجد میں ہوا۔ پوری مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، دارالعلوم کے اساتذہ، طلباء اور ذمہ دار حضرات اور شہر کے عمائدین بھی جمع تھے، اس جلسہ میں مولانا کے خطاب کے دو اہم پہلو تھے، انھوں نے اپنی تقریر میں اساتذہ اور طلباء دونوں کو اپنی اپنی ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی، طلباء کو خطاب کرتے ہوئے درد بھری آواز میں فرمایا کہ آپ حضرات مختلف قصبات اور مختلف جگہوں سے اس دارالعلوم میں صرف اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے دامن کو علم کے آبدار موتی سے بھر لیں۔ آپ کو اس راہ میں مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑے گا کبھی آپ کو تکلیف بھی ہو گی لیکن میں یہ کہونگا کہ آپ اپنی تعلیمی جد و جہد میں مشغول رہیں اور ان مشکلات و مصائب کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کریں۔ اس سلسلہ میں مولانا نے انبیاء کرام خاص طور پر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو مثال میں پیش کیا، مولانا نے فرمایا کہ آپ تھوڑی سی مشقت برداشت کر لیں، تھوڑے دن آرام سے کنارہ کش ہو جائیں پھر آپ دیکھیں گے کہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی، ہر جگہ آپ کی پذیرائی ہو گی، ہر جگہ آپ عزت کی نظر سے دیکھے جائیں گے۔ ہر عظمت و بلندی کے حصول میں آپ کو طائف اور نارِ نمرود جیسے صبر آزما اور حوصلہ شکن مراحل سے گذرنا ہو گا، اسی کے بعد آپ کی عظمت میں چار چاند لگیں گے۔ یہ مراحل ایسے ہیں جن سے گذرے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ اسوۂ محمدیؐ ہے وہ اسوۂ ابراہیمیؑ ہے اور یہی دو اسوے ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ اپنے آرام، اپنی خواہش کو تھوڑی دیر کے لئے تج کر اپنے بلند عزائم کی تکمیل کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ انشاء اللہ مستقبل آپ کے ساتھ ہے۔

اساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ممکن حد تک ان نونہالانِ چمن کی نگہداشت کریں، ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں اور دوسری اہم چیز جس کی طرف زور دیا کہ آپ حضرات کوشش کریں کہ نصاب مکمل ہو کوئی بھی کتاب ناقص یا ادھوری نہ رہ جائے۔ اس کے بعد عمومی دعا پر مولانا مدظلہ کی تقریر ختم ہوئی۔

اس تعلیمی سال کی دوسری خوش کن چیز ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی کی آمد ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی آجکل کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ میں عربی کے استاذ ہیں۔ آج سے چند سال پہلے موصوف دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ عربی کے صدر تھے لیکن مزید علمی تشنگی بجھانے کے لئے آپ انگلینڈ تشریف لے گئے اور وہاں عربی زبان میں ایک خاص موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد وہیں سعودیہ عربیہ میں عربی کے استاذ مقرر ہوئے یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک سال کے لئے یونیورسٹی کی طرف سے استاذ زائر (Visiting Professor) کی حیثیت سے ہمارے یہاں تشریف لائے ہیں، موصوف ہر موقع پر دارالعلوم کی ترقی اور اس کے مفاد کے لئے پوری کوشش کرتے رہے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں جب ندوۃ العلماء کا ۸۵ سالہ تعلیمی جشن ہوا تھا تو عرب سے آنے والے تقریباً تمام مہمانوں کے لانے اور ان سے خط و کتابت کی ذمہ داری موصوف ہی نے قبول فرما کر بکمال ہنرمندی سے انجام دیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف اس سال تعلیمی و تربیتی دونوں طریقے سے طلباء میں زندگی کا نیا جوش نیا ولولہ اور ان کے اندر جد و جہد کی حقیقی روح اور تعلیم و تربیت کی صحیح اسپرٹ پیدا کرنے کی کوشش کریں گے، اس کے لئے موصوف نے اپنی پوری صلاحیت اور پوری توجہ صرف کرنے کی پیش کش کی ہے، موصوف چونکہ اپنے مادر علمی میں آئے ہیں، یہیں ان کی ... تعلیم ہوئی، یہیں پلے بڑھے پروان چڑھے اور یہیں سے ان کی صلاحیت کے جوہر کھلے اس لئے امید ہے کہ ہمارے طلباء بغیر کسی اجنبیت کا احساس کئے ان سے حتی الامکان ہر طریقے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرینگے۔

ذمہ داران دارالعلوم کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر آئندہ سال گذشتہ سال سے تعلیمی و تربیتی دونوں لحاظ سے بہتر ہو، اس سال بھی اس کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے کہ طلباء پوری جد و جہد اور انہماک کے ساتھ اپنا تعلیمی سال شروع کریں اور اپنے اوقات کو کم سے کم دوسری چیزوں میں ضائع کریں۔ اس سلسلہ میں چند اقدامات کئے گئے ہیں، جس سے چند ہی روز میں خاطر خواہ فائدہ محسوس ہوا — ہمیں امید ہے کہ یہ سال گذشتہ سالوں سے علمی و تربیتی میدان میں فائق ہو گا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

طلباء کی علمی سرگرمیوں کی انجمن النادی العربی اور الاصلاح کے انتخابات بھی شروع ہو چکے ہیں لیکن ابھی اس کی باضابطہ کارروائی نہیں ہو پائی ہے۔ انشاء اللہ اس کی تفصیلات بھی آئندہ شمارے میں آپ کی نظروں سے گذریں گی۔ دارالعلوم کے تعمیری منصوبے کے تحت بورڈنگ، کتب خانہ، ہاسپٹل وغیرہ کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا ہے اور اس کے اکثر حصے پایۂ تکمیل کو پہونچ گئے ہیں، انشاء اللہ دارالعلوم کا یہ تعمیری منصوبہ چار پانچ سال کے عرصے میں مکمل ہو جائے گا، کتب خانہ کی عمارت جو زیر تکمیل تھی ابھی تک اس کی دو منزلیں تیار ہو چکی ہیں مزید کام جاری ہے۔ ثانویہ کی عمارت جو دو منزلہ تھی اس کی تیسری منزل تقریباً تیار ہے۔ صفائی اور پلاسٹر وغیرہ کا کام جاری ہے۔ عید الاضحیٰ تک انشاء اللہ مکمل ہو جانے کی توقع ہے۔

مجلس ادارت

نگرانِ اعلیٰ
مولانا ابوالعرفان ندوی

نذرُ الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات، شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔